WWW.PILDAT.ORG

ریاستی اداروں کی کارکردگی پر شہریوں کی مرتب کردہ سلسلہ وار رپورٹیں

پولیس، سیاست اور پاکستانی عوام

پلڈاٹ
پاکستان انسٹیٹیوٹ آف
لیجسلیٹو ڈویلپمینٹ
اینڈ ٹرانسپیرینسی

WWW.PILDAT.ORG

ریاستی اداروں کی کارکردگی پر شہریوں کی مرتب کردہ سلسلہ وار رپورٹیں

پولیس، سیاست اور پاکستانی عوام

پلڈاٹ
پاکستان انسٹیٹیوٹ آف
لیجسلیٹو ڈویلپمینٹ
اینڈ ٹرانسپیرینسی

پلڈاٹ، ملکی، خودمختار، غیر جانبدار اور بلا منافع بنیادوں پر کام کرنے والا ایک تحقیقی اور تربیتی ادارہ ہے جس کا مقصد پاکستان میں جمہوریت اور جمہوری اداروں کا استحکام ہے۔

پلڈاٹ، پاکستان کے قانون اندراج تنظیم مصدرہ1860 (قانون نمبر 21 بابت1860) کے تحت، بلا منافع کام کرنے والے ایک ادارے کے طور پر اندراج شدہ ہے۔

کاپی رائٹ: پاکستان انسٹیٹیوٹ آف لیجسلیٹو ڈویلپمنٹ اینڈ ٹرانسپرنسی۔پلڈاٹ

جملہ حقوق محفوظ ہیں

پاکستان میں شائع کردہ

اشاعت: جنوری2015

آئی ایس بی این: 978-969-558-467-5

اس اشاعت کا کوئی بھی حصہ، پلڈاٹ کے واضح حوالے کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے۔

Supported by

EMBASSY OF DENMARK
DANIDA | INTERNATIONAL DEVELOPMENT COOPERATION

پلڈاٹ
پاکستان انسٹیٹیوٹ آف
لیجسلیٹو ڈویلپمینٹ
اینڈ ٹرانسپیرینسی

اسلام آباد آفس: پی، او، باکس 278، F-8، پوسٹل کوڈ: 44220، اسلام آباد، پاکستان
لاہور آفس: پی، او، باکس 11098، L.C.C.H.S، پوسٹل کوڈ: 54792، لاہور، پاکستان
ای میل: info@pildat.org ویب: www.pildat.org

مندرجات

پیش لفظ

مخففات اور خلاصے

مصنف کے بارے میں

جامع خلاصہ

- تعارف 13
- تاریخی پس منظر 13
- پاکستان کے قیام کے بعد پولیس خدمات کی فراہمی 13
- اصلاحات اور تقلیب 15
  - طرز حکومت میں تبدیلی 16
  - پولیس آرڈر 2002 کی حیثیت 17
- پولیس خدمات کی فراہمی اور حالیہ حکومتیں 19
  - وفاقی حکومت 19
  - پنجاب میں امن وامان کی صورتحال 20
  - سندھ میں پولیس خدمات کی فراہمی: تقریباً ایک جیسی 21
  - کے پی پولیس: تبدیلی لا رہی ہے 22
  - بلوچستان: پولیس نظم ونسق سے محروم 24
- پولیس نظم ونسق کے اصول 26
  - عوامی خدشات 26
  - پولیس اصلاحات: مستقبل کیلئے لائحہ عمل 26
  - کلیدی امور 31
  - نتیجہ 31
- اختتامی نوٹ 32

پیش لفظ

''ڈیموکریسی اینڈ گورننس پروگرام'' کے تحت پلڈاٹ نے ریاستی اداروں کی کارکردگی پر شہریوں کی سلسلہ وار رپورٹس کو شائع کرنے کا آغاز کیا ہے۔ اس منصوبے کے تحت پلڈاٹ نے پاکستان میں پولیس کی خدمات کا جائزہ لیا، جو کہ ملک میں امن، استحکام اور نظم وضبط بحال رکھنے کے لئے قانون نافذ کرنے والا ادارہ ہے۔

پاکستان میں پولیس کے محکمے کی کارکردگی کئی سالوں سے مسلسل ایک سوالیہ نشان بن چکی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں معنی خیز اور ٹھوس اصلاحات نہ ہوسکیں ۔یہی وجہ ہے کہ یہ محکمہ نااھلیت اور دیگر مسائل کا شکار رہا ہے۔ پلڈاٹ نے وفاقی اور صوبائی سطح پر پولیس کو درپیش مشکلات اور ان میں بہتری لانے کی غرض سے اس محکمے کی کارکردگی کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔

پاکستان میں پولیس کی خدمات کی کارکردگی پر سٹیزنز رپورٹ جناب طارق کھوسہ کی جانب سے تحریر کی گئی ہے، جو کہ ایک نہایت ہی معزز اور تجربہ کار سابق پولیس افسر ہیں۔ کھوسہ صاحب نے پاکستان میں پولیس کی خدمات کے ارتقاء پر روشنی ڈالی ہے۔ بعدازاں انہوں نے ان بنیادی مسائل کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے پولیس اپنی ذمہ داریاں صحیح طریقے سے سرانجام نہیں دے رہی۔ انھوں نے خاص طور پر پولیس آرڈر 2002 کی حیثیت اور مستقبل پر بھی بحث کی ہے۔

اس رپورٹ کا مقصد پاکستان میں پولیس کی خدمات کی فراہمی اور اس کی کارکردگی کا جائزہ لینا ہے۔ اس ضمن میں محکمہ پولیس میں قائم بہترین روایات کو سامنے لانا، اور وفاقی وصوبائی حکومتوں کیلئے مستقبل کے لائحہ عمل کو زیرغور لانا ہے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ حکمت عملی ترتیب دینے والے سرکاری اہلکاران اور سیاستدان اس رپورٹ میں موجود نقطہ ہائے نظر، خیالات اور تجویز کردہ اصلاحات سے مستفید ہوسکیں گے، جس سے پولیس کی کارکردگی میں مزید بہتری آئے گی۔

اظہارِ تشکر

پلڈاٹ اس رپورٹ کے مصنف، سابق پولیس افسر جناب طارق کھوسہ کی معاونت، مشورے اور قابل قدر خدمات پر ان کا تہہ دل سے مشکور ہے۔
پلڈاٹ اس رپورٹ کو شائع کرنے کیلئے ڈینش انٹرنیشنل ڈویلپمنٹ ایجنسی (ڈانیڈا)، حکومت ڈنمارک کی جانب سے موصول کردہ مالی تعاون کا مشکور ہے۔

اظہارِ لاتعلقی

یہ رپورٹ عوامی ذرائع سے حاصل کردہ معلومات اور تفصیلات کو بروئے کار لاتے ہوئے تشکیل دی گئی ہے۔ پلڈاٹ ٹیم نے اس رپورٹ میں موجود مواد اور تفصیلات کی درستی کو یقینی بنانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے، لہٰذا، اس میں کسی قسم کی غلطی یا اعداد وشمار میں اغلاط ارادتاً نہیں کی گئی۔ یہ ضروری نہیں کہ اس رپورٹ میں موجود آراء ڈانیڈا، حکومت ڈنمارک اور رائل ڈینش سفارتخانہ، اسلام آباد کی رائے کی نمائندگی کرتی ہوں۔

اسلام آباد،
جنوری 2015

مخففات اور خلاصے

اے این پی	عوامی نیشنل پارٹی
اے ایس آئی	اسسٹنٹ سب انسپکٹر
اے ٹی سی	اینٹی ٹیررزم کورٹ
بی سی	قبلِ مسیح
بی ڈی یو	بم ڈسپوزل یونٹ
بی ایچ سی	بلوچستان ہائی کورٹ
بی ایل اے	بلوچستان لبریشن آرمی
بی ایل ایس	بلوچستان لبریشن فرنٹ
بی این پی	بلوچستان نیشنل پارٹی
بی آر اے	بلوچ ریپبلیکن آرمی
سی آئی ڈی	کرائم انویسٹی گیشن ڈپارٹمنٹ
سی ٹی	کاؤنٹر ٹیررزم
سی پی ڈی	کاؤنٹر ٹیررزم ڈپارٹمنٹ
ڈی جی	ڈائریکٹر جنرل آف پولیس
ڈی آئی جی	ڈپٹی انسپکٹر جنرل
ڈی آر سی	ڈسپیوٹ ریزولیوشن کاؤنسل
ڈی ایس پی	ڈپٹی سپرنٹینڈنٹ
فاٹا	وفاق کے زیرِ انتظام قبائلی علاقہ جات
ایف آئی آر	فرسٹ انفارمیشن رپورٹ
ایف ایس ایف	فیڈرل سیکیورٹی فورس
ایف ایس ایل	فارنزک سائنس لبارٹری
آئی بی	انٹیلی جنس بیورو
آئی سی اے ایل	انٹرنل کمانڈز ایکسس لائین
آئی ای ڈی	امپروائزڈ ایکسپلوسوڈوائس
آئی جی	انسپکٹر جنرل
انٹرپول	انٹرنیشنل کریمنل پولیس آرگنائزیشن

آئی ایس آئی	انٹر سروسز انٹیلی جنس
کے پی	خیبر پختونخواہ
ایم این اے	رکن قومی اسمبلی
این اے	قومی اسمبلی
این اے بی	قومی احتساب بیورو
این اے سی ٹی اے	نیشنل کاؤنٹر ٹیررزم اتھارٹی
این آئی ایس پی	نیشنل انٹرنل سیکیورٹی پالیسی
این پی	نیشنل پارٹی
این پی ایس سی	نیشنل پولیس سروس کمیشن
این ڈبلیو ایف پی	شمال مغربی سرحدی صوبہ
پی اے ایل	پولیس اسسٹنٹس لائین
پی اے ایس	پولیس ایکسس سروس
پی اے ٹی	پاکستان عوامی تحریک
پی سی اے	پولیس کمپلینٹ اتھارٹی
پی ایم اے پی	پختونخواہ عوامی ملی پارٹی
پی ایم ایل این	پاکستان مسلم لیگ نواز
پی او 2002	پولیس آرڈر 2002
پی پی پی	پاکستان پیپلز پارٹی
پی ٹی آئی	پاکستان تحریکِ انصاف
آر آر ایف	ریپڈ رسپانس فورس
سارک	ساؤتھ ایشین ایسوسی ایشن فار ریجنل کوآپریشن
ایس ڈی پی او	سب ڈویژنل پولیس آفیسر
ایس ایچ او	اسٹیشن ھاؤس آفیسر
ایس آئی	سب انسپکٹر
ایس پی	سپرنٹینڈنٹ آف پولیس
ٹی ٹی پی	تحریکِ طالبان پاکستان
یو این او ڈی سی	یونائیٹڈ نیشنز آفس آن ڈرگس اینڈ کرائم

مصنف کے بارے میں

جناب طارق کھوسہ نے اپنی سرکاری ملازمت کا آغاز 1973 میں پنجاب سول سروس میں بطور ایڈیشنل اسسٹنٹ کمشنر کے کیا اور بعد ازاں پاکستان کی پولیس سروس میں ۱۹۷۶ میں شمولیت اختیار کی۔ جنوری 2011 میں بطور فیڈرل سیکرٹری نارکوٹیکس کنٹرول ڈویژن ریٹائرڈ ہوئے۔ انہوں نے 2009 میں بطور ڈائریکٹر جنرل فیڈرل انوسٹی گیشن ایجنسی اپنی خدمات سرانجام دیں۔ وہ نیشنل سینٹرل بیورو، انٹرپول کے سربراہ بھی رہ چکے ہیں۔ اسی دوران انہوں نے ایشیا کے نمائندے کا انتخاب بھی جیتا جس کی وجہ سے وہ تین سال یعنی 2010 تا 2012 میں انٹرپول کی ایگزیکٹو کمیٹی کے میمبر رہے اور بین الاقوامی پولیس کے مابین تعاون میں اپنا کردار ادا کرتے رہے۔

ان کے سابقہ عہدوں میں 2008 میں، وزارت داخلہ میں نیشنل پولیس بیورو کے ڈائریکٹر جنرل کا عہدہ بھی شامل ہے جس کے تحت انہوں نے اسلام آباد میں منعقدہ سارک رکن ممالک کی پہلی پولیس چیفس کانفرنس کی میزبانی کی۔ وہ نیشنل پبلک سیفٹی کمیشن کے سیکرٹری رہے جو کہ وفاقی پولیس کے محکموں کا نگران ادارہ ہے۔ جناب طارق کھوسہ 2007 میں صوبہ بلوچستان کے پولیس چیف بھی رہ چکے ہیں۔ انہوں نے وہاں عرصہ دراز سے رائج بھرتیوں کا طریقہ بدلہ اور پورے صوبے کو محکمہ پولیس کے زیر انتظام کیا۔

بطور ڈپٹی انسپکٹر جنرل آف پولیس انہیں 2005 تا 2006 میں فیڈرل انوسٹی گیشن ایجنسی کے ایمگریشن کے شعبے کا ایڈیشنل ڈائریکٹر جنرل مقرر کیا گیا۔ اُنہوں نے صوبائی پولیس آفیسر کے چیف آف سٹاف کے طور پر اپنے فرائض ادا کرنے کے علاوہ صوبہ پنجاب میں فیصل آباد کے پولیس نظم ونسق کی بھی قیادت کی۔ 2004ء تا 2005ء میں انہوں نیشنل ڈیفنس کالج سے ڈیفنس اور سٹریٹیجک سٹڈیز میں ماسٹرز کیا۔ بطور سینئر سپرنٹنڈنٹ آف پولیس انہوں نے صوبہ بلوچستان میں کوئٹہ اور سبی کے دو اضلاع اور صوبہ پنجاب میں گوجرانوالہ اور لاہور کے دو اضلاع کی قیادت کی۔ اپنی پولیس ملازمت کے آغاز پر انہوں نے صوبہ پنجاب میں بطور اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ اور سپرنٹنڈنٹ آف پولیس اور اس کے ساتھ ہی ساتھ فیڈرل انوسٹی گیشن ایجنسی اور نیشنل پولیس اکیڈمی میں خدمات سرانجام دیں۔

انہوں نے فل برائٹ ایکسچینج پروگرام کے تحت ہیوبرٹ ہمفری فیلوشپ حاصل کی اور 1987 تا 1988 کے دوران امریکہ میں یونیورسٹی آف واشنگٹن سیٹل کے گریجویٹ سکول آف پبلک افیئرز میں زیرِ تعلیم رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ یونائیٹڈ نیشنز آفس آن ڈرگس اینڈ کرائم (UNODC) سے منسلک رہے۔ وہ قانون کی حکمرانی اور فوجداری عدل کے مشیر کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔ وہ لاہور میں رہائش پذیر ہیں اور اندرونی سلامتی اور نظم ونسق کے اُمور پر لکھتے ہیں۔

جامع خلاصہ

پاکستان کی پولیس کو اس کی نااہلیت اور بدعنوانیت کی وجہ سے تنقید کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جس کی ایک وجہ اس کا جانبدار ہونا ہے جو اس کی کارکردگی کو متاثر کرتا ہے۔ دوسری طرف پولیس اور شہریوں کے درمیان ایک خاص لاتعلقی پائی جاتی ہے، نتیجتاً، پولیس کی کارکردگی غیر تسلی بخش رہی ہے۔

رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ 1947 سے لے کر اب تک پاکستان میں پولیس میں اصلاحات اور تعمیرِ نو کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ البتہ، سال 2002 میں جنرل پرویز مشرف کی حکومت میں پولیس آرڈر 2002 پاس ہوا، جس کا ایک مقصد پولیس فورسز کو جوابدہ، خودمختار اور پیشہ ور بنانا اور دوسری طرف طاقت کے ناجائز استعمال اور پولیس کی کارکردگی میں سیاسی مداخلت کو ختم کرنا تھا۔ تاکہ وہ ہر طرح کی بدعنوانی سے پاک ہو کر مؤثر انداز میں اپنے فرائض سرانجام دے سکیں۔ پولیس آرڈر 2002 کا ایک انتہائی اہم مقصد پبلک سیفٹی کمیشن قائم کرنا تھا، تاکہ پولیس کو نا صرف انتظامی طور پر کنٹرول کیا جا سکے بلکہ سیاسی مداخلت سے بھی پاک کیا جا سکے۔

بدقسمتی سے مشرف دوَر میں ایسے اقدامات اٹھائے گئے کہ پولیس آرڈر 2002 نہ صرف غیر مؤثر ہو کہ رہ گیا بلکہ پبلک سیفٹی کمیشن بھی ایک رسمی ادارہ بن گیا۔ 18 ویں ترمیم کے بعد پولیس آرڈر پر عمل کرنے میں مزید مشکلات پیش آئیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ ایک طرف تو نئی ترمیم کی وجہ سے صوبوں کو نئی ذمہ داریاں سنبھالنا تھیں، دوسری طرف یہ بات واضع نہیں تھی کہ آیا انھیں پولیس آرڈر 2002 کے متبادل قانون سازی کرنی چاہیئے یا نہیں۔ حقیقت میں وفاقی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ تمام صوبوں میں یکساں قانون اور حکمتِ عملی قائم کرے، اس کے لئے وفاقی حکومت کو درج ذیل سفارشات دی گئی ہیں:

۱۔ تمام متعلقہ صوبوں کو چاہیئے کہ وہ پولیس آرڈر 2002 کو قائم رکھیں۔ اس پر عملدرآمد کے لئے اپنی پالیسیاں بنائیں اور سنجیدہ اقدامات کریں۔ پولیس آرڈر 2002 آئینی حیثیت رکھتا ہے اور عوام کی امنگوں کے عین مطابق ہے۔

۲۔ وزارتِ داخلہ اور نیشنل پولیس بیورو کو چاہیئے کہ وہ ایک نیشنل پبلک سیفٹی کمیشن قائم کرے جو کہ قومی اسمبلی کے اسپیکر کے نامزد کردہ چھ اراکین اسمبلی اور چھ غیر سیاسی اراکین پر مشتمل ہو۔ ایسے کمیشن کی نگرانی وفاقی قانون نافذ کرنے والے اداروں کے تحت ہونی چاہیئے کیونکہ ان کا دائرہ کار تمام صوبوں تک محیط ہے۔

۳۔ وفاقی حکومت کو پی او 2002 کی دفع 97-102 کے مطابق ایک خودمختار پولیس کمپلینٹس سینٹر قائم کرنا چاہیئے۔ جس کی سربراہی سپریم کورٹ کے ایک ریٹائرڈ جج کر سکتے ہیں۔

۴۔ اسلام آباد دارالحکومت میں پولیس ایکٹ 1861 کو منسوخ کر کے اسے پولیس آرڈر 2002 سے تبدیل کر دینا چاہیئے۔ اس طرح سے، پی او 2002 کے باب 7 کے تحت اسلام آباد ڈسٹرکٹ پبلک سیفٹی کمیشن قائم کیا جانا چاہیئے۔

۵۔ نیشنل پولیس بیورو کو اس بات کی یقین دہانی کرانی چاہئے کہ وفاقی اور صوبائی قانون نافذ کرنے والے تمام اداروں کے سربراہان پر مشتمل نیشنل پولیس منیجمنٹ بورڈ کم از کم سال میں دو بار اجلاس منعقد کرے گا تا کہ پولیس کو پیشہ ورانہ امور پر اپنی سفارشات پیش کر سکے۔

۶۔ اسلام آباد دارالخلافہ کی پولیس کو چاہیئے کہ وہ پولیس نظم ونسق کے میٹروپولٹن ماڈل پر عمل کرے۔ اور پولیس کے بنیادی یونٹ کو ایک تھانے کے بجائے ایک ڈویژن میں تبدیل کرے جس کی سربراہی ایک ایس پی کرے۔ ایسا کرنے سے عوام کو سہولت ملے گی اور پولیس بھی اپنی ذمہ داریاں ایک ہی قیادت کے زیر نگرانی دے سکے گی۔

صوبائی حکومتوں کے لئے درج ذیل سفارشات توجہ طلب ہیں:

۱۔ پنجاب حکومت نے ستمبر 2013 میں پولیس آرڈر 2002 میں چند اہم ترامیم کیں۔ ان کا بنیادی تعلق عوام کو زیادہ سے زیادہ فائدہ فراہم کرنے کے لئے تفتیش کے عمل کو بہتر بنانا تھا اور پبلک سروس کمیشن کے ذریعے اے ایس آئی کی جگہ پر سب انسپکٹر بھرتی کرنے سے متعلق تھا۔

۲۔ خیبر پختونخواہ حکومت نے پولیس آرڈر 2002 کو ختم نہیں کیا اور اس میں مفید ترامیم کرنے پر عمل بھی جاری ہے۔ یہ واحد صوبائی حکومت ہے جس نے پبلک سیفٹی کمیشن کا نوٹی فکیشن دیا ہے، اور اب وہ اس کو ایک پولیس نگران ادارے کی حیثیت سے زیادہ موثر بنانے پر غور کر رہے ہیں۔

۳۔ سندھ حکومت کو دوبارہ پولیس آرڈر 2002 کو اپنانا چاہیئے، جسے اس نے جولائی 2011 میں منسوخ کر دیا تھا۔ اس طرح سے بلوچستان کو بھی پولیس ایکٹ 2011 منسوخ کر دینا چاہیئے جو کہ محض ۱۸۶۱ کے ایکٹ کی ایک نقل ہے اور پولیس آرڈر 2002 کو اختیار کرنے پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے۔

۴۔ پنجاب حکومت کو چاہیئے کے وہ صوبائی پبلک سیفٹی کمیشن کو ایک پولیس اوورسائیٹ کا ادارہ بنائے۔ اسی طریقے سے، پنجاب اور خیبر پختونخواہ حکومتوں کو چاہیئے کہ وہ ایسی خودمختار پولیس کمپلینٹس اتھارٹیز قائم کریں جو پولیس سروسز کو بدعنوانی، جابرانہ رویے اور اختیارات کے ناجائز استعمال سے باز رکھیں۔

۵۔ عوامی شکایات کے ازالے کا موثر نظام قائم کرنا ایک اولین ترجیح ہے، اور اس کو مئوثر بنانے کی ضرورت ہے جیسا کہ خیبر پختونخواہ حکومت کی جانب سے کیا گیا ہے۔ آن لائن ایف آئی ار کا اندراج، پولیس ہیلپ لائنز اور شکایات موصول کرنے کے لئے ڈاکخانوں کا استعمال، سویلین سپورٹ اسٹاف کی مدد سے پولیس ہیلپ سینٹرز اور خواتین کیلئے ہیلپ ڈسکوں کا قیام عوام کے لئے بہت فائدہ مند ہوں گے۔

۶۔ بڑے شہروں میں پولیس نظم ونسق کے نظام کو میٹروپولیٹن ماڈل پر قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ کراچی، لاہور اور پشاور اور کوئٹہ جیسے بڑے شہروں میں چھوٹے تھانوں کی جگہ پر ایس پی کی سربراہی میں ڈویژن قائم کئے جانے چاہئیں جن کو مکمل انتظامی اور مالی تعاون حاصل ہو۔

۷۔ صوبائی پولیس کمانڈروں کو اسٹیشن ہاؤس آفیسر (ایس ایچ اوز) اور سب ڈویژنل پولیس آفیسر (ایس ڈی پی اوز) کا انتخاب قابلیت اور پیشہ ورانہ صلاحیت کی بنیاد پر کرنا چاہیئے۔

۸۔ تفتیشی عملداروں کا بھی انتخاب کرنا چاہیئے کیوں کہ یہ ایک ماہرانہ کام ہے اور اس کے لئے اعلیٰ درجے کی قابلیت اور دیانتداری ضروری ہے۔ پیچیدہ کیسوں جیسا کہ قتل، دہشتگردی اور دیگر منظّم جرائم کیلئے صرف ایک ہی تفتیشی افسر پر سارا کام نہیں ڈالنا چاہیئے بلکہ تفتیشی ٹیموں کو متعارف کرانا چاہیئے اور ماہر اسکواڈز کو قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ پولیس نظم ونسق کے پرانے طریقوں کو ختم کر دیا جائے اور ہر درجے پر مہارت رکھنے والے لوگ پولیس میں کام کریں۔

۹۔ ہر ایک ضلع/سب ڈویژن میں کرائم سین یونٹس قائم کرنے چاہئیں۔ تفتیش کرنے والوں کے لئے ایک مینوئل ترتیب دینا چاہئے جس میں ہر جرم کی تفصیلات درج ہوں اور یہ بھی بتایا جائے کہ کس جرم کے لئے کون سی شہادت ہونا ضروری ہے۔

۱۰۔ ضلعی سطح پر ایسی کمیٹیاں تشکیل دی جائیں جو بریت اور ضمانتوں کا جائزہ لیں تاکہ تفتیش کاروں کو عدالتوں کو بتائے جانے والے نقائص کا پتہ چل سکے۔

۱۱۔ حکومتوں کو کسی صورت جعلی پولیس مقابلوں کو نظرانداز یا معاف نہیں کرنا چاہئے۔ ایسا کوئی بھی پولیس مقابلہ جس میں اموات واقع ہوں اس کی آزادانہ تحقیقات کرنا چاہئیں۔ ایک مناسب تعداد میں بلٹ پروف ہیلمٹ اور جیکٹ فراہم کرنے چاہئیں تاکہ پولیس اہلکاروں کی حفاظت کو یقینی بنایا جاسکے۔

۱۲۔ قانون میں ایسی ترامیم کی جائیں جن کے ذریعے تمام نااہل اور بدعنوان پولیس والوں کو نکالا جاسکے۔ اس حوالے سے پولیس آرڈر 2002 میں نظم و ضبط کے قوائد وضع کئے گئے ہیں۔ پنجاب پولیس نے ان کو مزید بہتر بنایا ہے۔ کسی بھی پولیس اہلکار کو نوکری سے ہٹانے کا اختیار آئی جی کے پاس ہوگا اور آخری اپیل سروسز ٹریبونل کے پاس جائے گی یعنی بیوروکریٹ کے پاس ایسا کوئی اختیار نہیں ہوگا۔

۱۳۔ پولیس فورس کو ایک بھرپور اور جامع تربیت دینے کی ضرورت ہے۔ ایسا کرنے کے لئے پہلے پولیس کے تمام درجوں کی ضروریات اور تقاضوں کا جائزہ لینا ہوگا اور اس کے بعد تربیتی کورس کو بھی دوبارہ ترتیب دینا ہوگا۔ خاص طور پر پولیس عہدہداروں کی ترقی سے پہلے ان کے لئے ٹریننگ لازمی ہونا چاہیئے۔

۱۴۔ پولیس اہلکاران جہاں تعینات ہوں وہاں ان کے لئے موزوں رہائشی سہولیات فراہم کرنا چاہئیں تاکہ وہ بمعہ اہل وعیال رہائش پذیر ہوسکیں۔ پولیس خدمات کی فراہمی ایسی نوعیت کی نہیں ہے جس طرح افواج کی سرحدوں پر ہوا کرتی ہے۔ چونکہ وہ کمیونٹی کے لئے کام کرتے ہیں۔ لہٰذا، انکو اس کمیونٹی میں ہی رہنا چاہئے جس کے لئے وہ اپنی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ ان کے کام کرنے کی صورتحال کو بہتر بنانا چاہئے جیسا کہ، ۸ گھنٹے کی شفٹ، ہفتے میں چھٹی، اوورٹائم کے الاؤنسز، ڈیوٹی کے دوران کھانہ فراہم کرنا، ٹرانسپورٹ کی سہولیات اور دیگر فلاحی اقدامات کرنے چاہئیں۔

تعارف

مقبول ومعروف رومن سیاسی فلسفی مارکس ٹلیئس سکیرو (43-106 قبل مسیح) کے مطابق ''عوام کی حفاظت سب سے بڑا قانون ہونا چاہئے'' وہ تمام قومیں جنہوں نے خوشحالی اور ترقی پائی انہوں نے عوامی نظم وضبط اور تحفظ کو اولین ترجیح دی۔ البتہ، جن قوموں نے اچھے نظم وضبط کے ساتھ ساتھ قانون کی بالادستی قائم کی وہاں حقیقی جمہوریت اور انصاف قائم ہوا اور انسانی حقوق کو تحفظ ملا۔

پاکستان کو ایک مستحکم اور جمہوری مستقبل کی ضرورت پر، جس کے لئے پولیس خدمات کی فراہمی کو بہتر بنانا اور تمام مسائل کو حل کرنا ہوگا، ہماری ۶۷ سالہ تاریخ کے دوران پولیس انظام ہمیشہ تنقید، الزامات، بدعنوانی اور سیاسی مداخلت کی زد میں رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام اور پولیس کے مابین اعتماد اور نیک نیتی کی فضا بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ یکے بعد دیگرے سویلین اور فوجی حکومتیں قانون پر اثر انداز ہوئی ہیں اور ریاستی مشنری کا ناجائز استعمال کرتی رہی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پولیس کبھی بھی اپنے حقیقی فرائض انجام نہ دے پائی اور ہمارا نظام متاثر ہوتا رہا۔

تاریخی پس منظر

دور جدید کی پولیس خدمات کی ابتداء کا سہرا لندن میٹروپولیٹن ایکٹ 1829 کے سر ہے، جس نے ایگزیکٹو اور آزاد عدالتی نظام کے مابین اختیارات کو تقسیم کیا۔ البتہ برصغیر پاک و ہند میں برطانوی سلطنت کو ایک مختلف طرز کی انتظامیہ کی ضرورت تھی۔ ان کا طرز حکمرانی محصولات جمع کرنے اور نظم وضبط کی قائم رکھنے تک محدود رہا، جس کی وجہ سے انصاف پر عمل کرنا ممکن نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انگریز دوٗر میں ایک ہی فرد کے پاس محصولات اکٹھا کرنے اور پولیس اور عدلیہ کو کنٹرول کرنے کے اختیارات موجود تھے حالانکہ یہ کام ڈسٹرکٹ آفیسر، ڈپٹی کمشنر اور ضلعی مجسٹریٹ کا تھا۔ لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ انگریز دوٗر میں سرکاری ملازمین کا کام صرف محصولات اکٹھے کرنا اور منظورِ نظر رہنے کے لئے وفاداری دکھانا تھا۔ جبکہ کے پولیس کا استعمال صرف مقامی لوگوں کو دبانے کے لئے کیا جاتا تھا۔

محصول جمع کرنے والا افسر اور مقامی پولیس اتنی ظالم اور بدعنوان تھی کی 1855ء میں برطانیہ نے ایک کمیشن بنایا جو کہ ٹارچر کمیشن کے طور پر جانا جاتا تھا جس کا مقصد ہندوستان میں انصاف کی فراہمی میں اصلاحات لانا تھا۔ کمیشن کی جانب سے کی گئی سفارشات اور اس پر برطانوی پارلیمنٹ میں کی جانے والی بحث کے بعد، حکمران اس فیصلے پر پہنچے کہ مقامی انتظامیہ کی ان برائیوں کو قانون کی حکمرانی اور اختیارات کی تقسیم کے ذریعے ختم کیا جائے۔ 1856ء میں کلکتہ، مدراس اور بمبئی کو میٹروپولیٹن شہروں کا درجہ دیا گیا جہاں آزادانہ کارروائی کرنے والے پولیس کمشنر ایک آزاد عدلیہ کو اپنی کارکردگی سے مطلع رکھتے تھے۔

تاہم، اصلاحات کی کوششوں کو 1857 کی جنگ آزادی کی وجہ سے بہت دھچکا لگا۔ اس کے بعد، برصغیر پاک و ہند 90 سال کے عرصے کے دوران براہ راست تاجِ برطانیہ کے ماتحت آ گیا۔ نتیجتاً، پولیس خدمات کی فراہمی میں آئرش کانسٹیبلری کے طرز کو متعارف کرایا گیا جس کا کام بغاوت کو دبانا تھا۔ ۱۸۶۱ء کے بعد پولیس نے شاہی حکمرانوں کے فوجی دستوں کے فرائض سرانجام دیئے۔ یوں لگتا تھا جیسے پولیس عوام کی فلاح کیلئے نہیں بلکہ ان پر حکمرانوں کا تسلط قائم رکھنے کا کام کر رہی تھی۔ نوآبادیاتی حکومت نے پولیس خدمات کی فراہمی کو افواج کی شکل دینے کا عارضی قدم اٹھایا لیکن بہت جلد ہی یہ طریقہ آگے چل کر نظام کا حصہ بن گیا اور ۱۹۴۷ء میں آزادی سے قبل اور بعد میں بھی قائم رہا۔

پاکستان کے قیام کے بعد پولیس خدمات کی فراہمی

پاکستان کے بانی محمد علی جناح قانون کی حکمرانی اور جمہوریت قائم کرنا چاہتے تھے، لیکن ایسا نظام جہاں انتظامیہ مکمل طور پر غیر جانبدار ہو اور اس کے ساتھ ساتھ فوج، عدلیہ اور انتظامیہ تینوں اپنے اپنے دائرہ کار میں علیحدہ علیحدہ کام کریں۔ 1948ع میں نئی ریاست کے قیام کے وقت قائد نے کراچی میں میٹروپولیٹن پولیس کے ماڈل کے قیام کا فیصلہ کیا یہ ویسا ہی ماڈل تھا جیسا کہ

تاجِ برطانیہ نے1856 کوکلکتہ، مدراس، اور بمبئی میں اور۱۹۳۹کوحیدرآباد میں قائم کیا تھا۔

بدقسمتی سے، ستمبر1948 میں قائد کی وفات کے بعد افسرشاہی نے کراچی میں پیشہ ورانہ پولیس قائم نہ ہونے دی اور پولیس کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا رہا۔ بعد میں آنے والی سیاسی قیادت نے بھی پاکستان کو قائد کے خواب کے مطابق نہیں ڈھالا۔ قائدِاعظم پاکستان کو ایک آزاد جمہوری ملک بنانا چاہتے تھے لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ پاکستان میں اعلیٰ صلاحیت کی حامل جوابدہ پولیس فورس قائم ہو لیکن بعد کی حکومتیں ایسا کرنے میں ناکام رہیں۔

1951 میں جنرل ایوب نے مارشل لاء لگایا اور ایک ایسا نظام قائم کیا جسے ایگزیکیوٹو مجسٹریسی کا نظام کہتے ہیں۔ اس نظام کے تحت پولیس ایکٹ 1861 کی طرز پر پولیس کو افسرشاہی کے ماتحت لایا گیا۔1929 میں جنرل ایوب اور1971 میں جنرل یحییٰ کے دورِحکومت ختم ہوئے اور بعد ازاں مشرقی پاکستان ہم سے جدا ہوگیا۔ ذوالفقارعلی بھٹو کی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے فیڈرل سیکیورٹی فورس تشکیل دی جس کی سربراہی پولیس سروسز کے افسران کررہے تھے اس پولیس فورس کو سیاسی مقاصد اور خاندانی لڑائیوں میں ذاتی مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا۔ ذوالفقارعلی بھٹو کی پھانسی کے بعد ،1971 میں تیسری بار جنرل ضیاءالحق کی سربراہی میں مارشل لاء لگا۔ 1979 میں سوویت یونین نے افغانستان پر چڑھائی کی اور اسی سال ایرانی انقلاب آیا۔ ملک میں فرقہ وارانہ فسادات بڑھ گئے ادھر عسکریت پسندی پروان چڑھنے لگی اور حالات بگڑتے چلے گئے۔1986 کو تاریخ میں ملکی تباہی کا دوَر سمجھا جاتا ہے جس میں پولیس فوج کے زیرِاثر کام کرتی رہی۔

البتہ،1980 کے فوجی اقتدار کے دوران یعنی1985 اور1988 کے مختصر عرصے میں ایک باضابطہ جمہوری حکومت قائم ہوئی اور محمد خان جونیجو وزیرِاعظم منتخب ہوئے۔ انہوں نے1985 میں پولیس افسران کی ایک کمیٹی تشکیل دی جسکا کام پولیس کے نظم ونسق میں اصلاحات لانا تھا۔ کمیٹی کا قیام ڈائریکٹر انٹیلی جنس بیورو کی زیرِسربراہی عمل میں لایا گیا۔ کمیٹی نے 1989-82 کے انڈین پولیس کمیشن سے متاثر ہوکر اس بات کی سفارش پیش کی کہ تمام صوبائی دارالخلافوں اور اسلام آباد میں میٹروپولیٹن ماڈل کو اختیار کیا جائے۔ یہ نظام بھارت کے تمام بڑے26 شہروں میں قائم پولیس کمشنر نظام اور بنگلہ دیش کے تین بڑے شہروں کے نظام سے ملتا جلتا تھا۔

1988 میں جنرل ضیاء کی ایک فضائی حادثے میں موت واقع ہوگئی اور انتخابات کے بعد بینظیر بھٹو ملک کی وزیرِاعظم بنیں۔ یوں دوبارہ ایک جمہوری دور کا آغاز ہوا۔ بینظیر بھٹو نے1989 میں پاکستان پولیس سروسز کے عشائیے میں شرکت کی اور اس بات کی منظوری دی کہ کراچی، لاہور، پشاور، کوئٹہ اور اسلام آباد میں میٹروپولیٹن نظام اختیار کیا جائے۔ لیکن 1948 میں جناح کے فیصلے کی طرح1990 تک ان کے فیصلے پر بھی عمل درآمد نہ کیا گیا۔ مفاد پرست نہیں چاہتے تھے کہ ایسا نظام قائم ہو۔ ان کی حکومت کو بھی وقت سے پہلے ہی ختم کردیا گیا۔

1990 کی دہائی کو ایک ایسا دوَر سمجھا جاتا ہے جس میں بےنظیر اور نواز شریف یکے بعد دیگرے وزیرِاعظم بنتے رہے۔ لیکن دونوں میں سے کوئی بھی اپنی مدت پوری نہ کرسکا۔ حکومت کرنا ایک کھیل بن گیا۔ یہ وہ عرصہ تھا جب پولیس میں سیاسی مداخلت عروج پر تھی۔ پولیس کا کام سیاستدانوں کی خوش آمد کرنا اور ان کی ناجائز فرمائشیں پوری کرنا تھا۔ جمہوریت تو صرف نام کی ہی رہ گئی تھی جبکہ پولیس اصلاحات پر بلکل عمل نہ ہوسکا۔

اصلاحات اور تقلیب

21ویں صدی کی شروعات نے پاکستان کو ایک ایسے دوراہے پر لا کر کھڑا کیا جہاں اسے امریکہ میں 9/11 حملے کے بعد چھڑنے والی دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ کا حصہ بننا پڑا۔ تمام فوجی آمروں کی طرح، جنرل پرویز مشرف نے بھی اپنے دور کا آغاز ایک اصلاحاتی ایجنڈے سے کیا، لیکن جلد ہی وہ بھی سیاست کے تیز رفتار کھیل اور اپنے اقتدار کو بچانے کی کوشش میں لگ گئے۔

ان کے ابتدائی اصلاحاتی اقدامات میں سے ایک پولیس آرڈر 2002 کا نفاذ بھی تھا۔ اس آرڈر کا مقصد سیاسی طور پر غیر جانبدار، جوابدہ، خودمختار اور پیشہ ورانہ صلاحیتوں کی حامل پولیس فورس قائم کرنا تھا۔ اس نئے قانون کے کئی اہم مقاصد تھے۔ یعنی ایک طرف اختیارات کا ناجائز استعمال روکنا اور سیاسی مداخلت کو ختم کرنا تو دوسری طرف پولیس کو بدعنوانیوں سے پاک کر کہ ایک باضابطہ اور مؤثر فورس بنانا۔ اس قانون میں پولیس فورس کے لئے ایسا نظام قائم کیا گیا تھا جس میں پولیس فورس کو ضلعی، صوبائی اور قومی سطحوں پر قائم پبلک سیفٹی کمیشنوں کے ذریعے غیر جانبدار بنایا گیا۔ یوں اس کے اندر بنیادی اور انتظامی تبدیلیاں لانے پر زور دیا گیا۔

یہ تصور سلطنتِ برطانیہ سے لیا گیا جہاں پولیس سروسز کا ادارہ منتخب اور خودمختار افسران کی نگرانی میں کام کرتا ہے۔ حالانکہ مشرف کو کئی سینیئر افسران کی سفارشات کے خلاف جانا پڑا لیکن اس کے باوجود اس نے جاپانی ماڈل (جہاں عوامی سیفٹی کمیشن صرف غیر سیاسی اراکین پر مشتمل ہوتا ہے) پر یو کے ماڈل کو ترجیح دی۔

پولیس کو جوابدہ بنانے کے لئے قومی اور صوبائی سطح پر آزادانہ پولیس کمپلینٹ اتھارٹیز (پی سی ایز) کا قیام ہونا ضروری تھا۔ پولیس کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں خودمختار بنانے کے لئے، وفاقی اور صوبائی پولیس کے اداروں کے سربراہوں کی مدتِ ملازمت کو تین سال کر دیا گیا۔ (جیسا کہ افواج میں ملٹری کمانڈروں کے ضمن میں ہوتا ہے)۔

آخر کار مشرف نے عوامی مفادات کی پرواہ نہ کی اور صرف سیاسی مفادات کو اہمیت دی۔ 2004 میں اس نے اپنی اتحادی جماعتوں سے مل کر، پولیس آرڈر 2002 کے الفاظ اور اس کے مقاصد کو بلکل بدل کر رکھ دیا۔ اس کے اندر تمام ضروری اور اہم اصلاحات کو ختم کر دیا گیا، یہاں تک کہ پبلک سیفٹی کمیشن کو جانبدار بنا دیا گیا تا کہ وہ صرف برسرِ اقتدار پارٹی کا ساتھ دے۔ صوبوں میں خودمختار کمپلینٹ اتھارٹیز کو ختم کر دیا گیا اور انہیں سیفٹی کمیشن میں ضم کر دیا گیا۔ حالانکہ سیفٹی کمیشن تو پہلے ہی جانبدار ہو چکا تھا۔ پولیس آرڈر کو یہاں تک تبدیل کیا گیا کہ پولیس سربراہان کے تین سال کی مدتِ ملازمت کے فیصلے کو بھی واپس لیا گیا۔

مختصراً یہ کہ ان ترامیم کی باعث اصلاحات کا عمل ناممکن ہو گیا۔ اور ایک غیر جانبدار اور خودمختار پولیس فورس کا قیام بھی نا ہو سکا۔ ایک بار پھر 2002 سے 2007 کے دوران فوجی حکمرانوں کی قائم کردہ جمہوریت کا دوَر آیا اور اصلاحات کی باتیں ہونے لگیں لیکن یہ صرف باتوں تک ہی محدود رہا۔

البتہ، پولیس کمانڈرز کے پیشہ ورانہ طور پر پرعزم ایک گروپ نے ، اپنے بل بوتے پر ادارتی اور پولیس کے انتظامی ڈھانچے میں اصلاحات متعارف کرانے کی کوشش کی۔

وزیراعظم ظفراللہ جمالی کی زیرِ قیادت وفاقی حکومت نے چھ غیر سیاسی مایہ ناز افراد اور چھ اراکین قومی اسمبلی پر مشتمل پہلے نیشنل پبلک سیفٹی کمیشن کا اعلان کیا۔ وزارت داخلہ میں نیشنل پولیس بیورو نے نیشنل پولیس سروس کمیشن (این پی ایس سی) کے سیکرٹریٹ کے طور پر اپنا فرض ادا کیا۔ 2004 کی ترامیم کے ذریعے پولیس اداروں کے نامزد کرنے کے اختیارات واپس لے لئے گئے۔ اور، این پی ایس سی محض ایک رسمی ادارہ بن کر رہ گیا۔

اسی دوران یو کے کا ایک اہم دوَرہ کیا گیا جس کا مقصد وہاں کی پولیس کے نظام کا مطالعہ کرنا اور مفید تجاویز پیش کرنا تھا۔ وفاق اور تمام صوبوں کے سربراہان پر مشتمل نیشنل پولیس منیجمنٹ بورڈ کے اجلاس بھی نیشنل پولیس بیورو میں منعقد ہوئے۔ لیکن پولیس قیادت کے عزم میں کمی تھی۔ جس کی وجہ سے معنی خیز اصلاحات پر عمل نا کیا جا سکا۔ اور موجودہ صورتحال جوں کی توں

رہی۔

14 اگست 2002 کو صوبہ بلوچستان میں پولیس نظم ونسق کے نظام میں پولیس آرڈر کے نفاذ سے بڑی تبدیلیاں آئیں۔ ایک صوبائی پبلک سیفٹی کمیشن قائم کیا گیا جو باقاعدہ طور پر اجلاس منعقد کرتا تھا۔ لیویز کے زیر انتظام علاقہ ب کو پولیس کے زیر انتظام علاقہ الف میں تبدیل کرنے کا عمل شروع ہوا جس سے آخر کار تمام 30 اضلاع 14 اگست 2007 کو پولیس کے زیر انتظام آ گئے۔

تاہم، دیگر صوبوں میں اصلاحات کا عمل یا تو سست روی سے ہونے لگا یا پھر بالکل ہی رک گیا، پنجاب میں اس عمل کے نفاذ میں بڑی رکاوٹوں کا سامنہ تھا۔ اس کی اہم وجوہات یہ تھی کہ اصلاحات کے عمل کو سنجیدگی سے نہیں لیا گیا اور صوبائی سیفٹی کمیشن کو تشکیل نہ دیا گیا دوسری طرف وزارتِ داخلہ نے بھی اس کے قیام میں دلچسپی نہ لی۔ پنجاب کی مثال نے دیگر صوبوں پر بھی برے اثرات ڈالے۔ پولیس اصلاحات کا عمل بلکل رک گیا اور یہ رکاوٹ 2008 کے انتخابات کے بعد قائم رہی۔

طرز حکومت میں تبدیلی:۔

2008ء میں بے نظیر بھٹو کی شہادت کے بعد رونما ہونے والی ہنگامہ آرائی کے دوران جو انتخابات ہوئے ان میں حصہ لینے والی جماعتوں نے عدلیہ کی آزادی اور مشرف کی جانب سے ہٹائے گئے ججوں کی بحالی کو اپنا انتخابی ایجنڈا بنایا۔ مگر بدقسمتی سے پولیس کو سیاسی اثر سے پاک کرنا اور خودمختار بنانا ان جماعتوں کی ترجیحات میں شامل ہی نہ تھا۔ پی پی پی نے اتحادی جماعتوں کے ساتھ مرکز، سندھ اور بلوچستان میں حکومت قائم کی۔ ن لیگ کو پنجاب اور اے این پی کو کے پی میں حکومت بنانے کا موقعہ ملا۔ وفاقی اور صوبائی حکومتوں میں عدم اطمینان اور عدم اعتماد پایا جاتا تھا جس کی وجہ ملک کی سلامتی کو لاحق چیلنجز اور سیاسی کشمکش تھی۔ اس نئے جمہوری دوٗر میں قانون کی حکمرانی اور اعلیٰ طرزِ حکمرانی نہ ہونے کے برابر تھی۔ جوں ہی فوجی آمر کا دوٗر ختم ہوا، ساتھ ہی اس کے اصلاحاتی ایجنڈے کو بھی ختم کر دیا گیا۔

2008ء میں جب نیشنل پبلک سیفٹی کمیشن اراکین اس کے اجلاس کا انعقاد کر رہے تھے۔ اس وقت وزارتِ داخلہ نے اسپیکر کی جانب سے نامزد کردہ چھ اراکینِ اسمبلی کی نامزدگی منظور نہ کی۔ 2010ء میں وفاقی حکومت نے اپنے ۵ سال مکمل کرنے کے بعد ایسا کوئی اقدام نہ کیا جس کے تحت این پی ایس سی کے اراکین کو منتخب کیا جائے، جس کے نتیجے میں پولیس اوورسائٹ ادارے کا وجود ہی ختم ہوگیا۔ نیشنل پولیس منیجمینٹ نے اپنے آخری اجلاس 2008 میں منعقد کئے جس کے بعد پھر کوئی اجلاس نہ بلایا گیا اور وفاقی حکومت کی جانب سے پولیس آرڈر واضع طور پر منسوخ کر دیا گیا۔

اپریل 2010ء میں آئین میں 18 اویں ترمیم کا ہونا اختیارات کی منتقلی کے مرحلے میں ایک اہم سنگِ میل تھا۔ جس نے پہلے کی ہم درجہ فہرست کو معطل کرنے کے ساتھ ساتھ صوبوں کو بے شمار اختیارات دے دیئے تھے۔ اس سے یہ غلط تاثر ابھرا کہ اب ہر صوبہ اپنے پولیس ایکٹ کو وضع کرنے میں آزاد ہوگا۔

15 جولائی، 2011ء کو سندھ حکومت نے ایک انتہائی غلط قدم اٹھایا، صوبائی حکومت نے ایک متفقہ نوٹیفکیشن کے ذریعے پولیس آرڈر 2002 کو منسوخ کر کے پولیس ایکٹ 1861 کو نافذ کیا۔ یہاں تک کہ پولیس اصلاحات کرنے اور پولیس فورس کو بہتر بنانے کا کوئی اقدام نہ کیا گیا۔ حکومت کے اس عمل کو ایک اخبار کے مصنف نے یوں بیان کیا کہ کسی قانون کو نافذ کرنے سے پہلے ہی منسوخ کر دینا ایک بہت بڑی ناانصافی ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ اس قانون کی جگہ ۱۹ویں صدی کے ایک قانون کا نفاذ دراصل نو آبادیاتی نظام کو مضبوط کرنا تھا جو کہ ایک خوفناک بات تھی۔

اس ضمن میں بلوچستان کی حکومت نے بہت سرگرمی دکھائی اور پولیس آرڈر 2002 کا نفاذ کر دیا حالانکہ بہت سے قبائلی سرداروں کے اس حوالے سے تحفظات بھی تھے۔

پی پی پی حکومت نے اگست 2011ء میں ایک ایسا پولیس ایکٹ وضع کیا جس میں 1861ء کے قانون کی پیروی کی گئی تھی، اس کے ذریعے صوبائی بیوروکریسی کو یہ اختیار مل گئے کہ وہ پولیس کے انتظام کی نگرانی کرے۔ اس

مسودے پر بلوچستان پولیس کے ساتھ کوئی مشاورت نہیں کی گئی تھی۔ البتہ، ایگزیکٹو مجسٹریسی سے متعلق دفعات کو ہائیکورٹ نے رد کر دیا۔ صوبائی حکومت نے عدالت عظمیٰ کے آگے درخواست دائر کی اور تین سال گزرنے کے باوجود یہ معاملہ زیرالتواء ہے۔

خیبر پختونخواہ میں صوبائی حکومت نے دوبارہ 1861 کے قانون کو نافذ نہ کیا لیکن اس نے پولیس آرڈر 2002 کو بھی کبھی موثر انداز میں نافذ نہ کیا۔ صوبے میں سیاسی اور انتظامی مشنری طالبان کے ساتھ حالت جنگ میں رہی۔ لہٰذا وہ پولیس کے نظام میں محکمانہ اصلاحات نہ کر سکے۔

پنجاب حکومت نے اس ضمن میں ایک مختلف طریقہ اختیار کیا اور ایک نئے پولیس قانون کا مسودہ تیار کیا جو 1861 اور 2002 کے قانون کے کچھ نکات پر مبنی تھا لیکن اس میں بھی پولیس کے نظام اور نگرانی کے سارے اختیارات سول سروسز کے پاس تھے۔ قانون کے مسودے میں ضلعی اور صوبائی دونوں سطحوں پر پولیس کمیشن کے لئے قانون سازی کی گئی۔ ضلعی پولیس کمیشن، دو صوبائی اسمبلی کے اراکین، ضلعی انتظامیہ کے سربراہ (ایک سول سرونٹ)، ضلع کی سب سے بڑی میونسپالٹی کی میونسپل باڈی کے سربراہ، بار ایسوسی ایشن کے صدر، اور پولیس کے ضلعی سربراہ (بطور سیکرٹری) پر مشتمل تھا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ لیا گیا کہ صوبے کے پولیس نظم ونسق کا نظام صوبے کے سیاستدانوں اور ضلعی انتظامیہ کے ہاتھ میں رہے گا۔

اس طریقے سے حکومت نے بیوروکریسی کے ذریعے پولیس کے نظم ونسق اور نگرانی کے کام میں مداخلت کی کوشش کی۔ اسی دوران آنے والے پولیس کمانڈرز نے پولیس آرڈر 2002 کے بنیادی ڈھانچے میں تبدیلیوں کی مخالفت کی۔ اس ضمن میں وہ قانونی ماہرین اور دیگر فریقین قابلِ ذکر ہیں جن کے کہنے پر صوبائی حکومت نے اس پولیس آرڈر کو مزید نہیں بگاڑا۔ پولیس قیادت نے بھی حکومت کو اس بات پر اعتماد میں لیا کہ اس آرڈر میں چند ضروری ترامیم کی جائیں تاکہ تفتیش کے عمل اور اے ایس آئی کی جگہ ایس آئی کی بھرتی کے عمل کو بہتر بنایا جا سکے۔ یوں ایک واضح تبدیلی آئی۔ یہ مثالی کام آئندہ کے لئے نمونہ بن گیا۔ مئی 2013 کے انتخابات کے ذریعے چاروں صوبوں میں نئی حکومتیں بنیں۔ ان حکومتوں کو قانون کی حکمرانی اور طرزِ حکومت کو بہتر بنانے جیسے چیلنجز کا سامنا رہا کیوں کہ دہشتگردی اور جرائم میں اضافہ ہو رہا تھا۔

پولیس آرڈر 2002 کی حیثیت

یہاں پر ایک الجھن پائی جاتی ہے اور چند اطراف سے یہ غلط تاثر دینے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ صوبے پولیس آرڈر 2002 کی بجائے اپنی علیحدہ قانون سازی کر سکتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں اور اس تضاد کو وفاقی حکومت کی جانب سے ایک ہی بار حل کرنے کی ضرورت ہے۔ 14 اگست 2002 کو اس قانون کے نافذ ہوتے ہی لاہور ہائی کورٹ میں اسے ایک آئینی درخواست کے ذریعے چیلنج کر دیا گیا تھا۔ لاہور ہائی کورٹ نے 28 فروری 2003ء کو اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا:

'' فوجداری قانون، اسلامی جمہوریہ پاکستان کے آئین کے چوتھے جدول کے جزو دوئم میں درج ہم درجہ فہرست میں موجود ہے۔ پولیس آرڈر 2002 بنیادی طور پر فوجداری قانون اور پولیس کے نظم ونسق سے متعلق ہے، لہذا مذکورہ فہرست کے دائرہ کار میں آئے گا، اس لحاظ سے پولیس آرڈر 2002، آئین پاکستان سے خارج از اختیار نہیں''

قانون کو آئین کے جدول نمبر چھ میں رکھا گیا اور اس میں صدر کی (وزیراعظم کے ساتھ مشاورت کے بعد) اجازت کے بغیر تبدیلی منسوخی یا ترمیم نہیں کی جا سکتی۔ 31 دسمبر 2003 کو آئین میں ۱۷ویں ترمیم کے مطابق، مذکورہ بالا بندش کو چھ سال کے عرصے کے بعد جدول چھ میں سے خارج ہونا تھا، البتہ صدر نے ایک آرڈیننس کے ذریعے اصل پولیس آرڈر میں 2004ء میں ترمیم کی، چونکہ پارلیمنٹ اس میں صدر کی اجازت کے بغیر ترمیم نہیں کر سکتا تھا، لہٰذہ، آرڈیننس کا ہر چار ماہ بعد دوبارہ نفاذ ہونا ہوتا تھا، اسی نوعیت کی آخری ترمیم نومبر 2009ء کو کی گئی۔ البتہ یکم جنوری 2010ء سے موثر ہونے کے باعث پارلیمنٹ اب صدر کی اجازت کے بغیر پولیس آرڈر میں ترمیم کر سکتی تھی۔ آرڈیننس چونکہ اب قائم نہیں رہے، لہٰذہ پولیس آرڈر دوبارہ اپنی اصل حیثیت میں بحال ہو گیا ہے، جیسا کہ ۱۴ اگست 2002 و نافذ کیا گیا تھا

۔بدقسمتی سے 18ویں ترمیم کے بعد بعض غلط وجوہات نے یہ تاثر دیا کہ اب پولیس آرڈر قابل اطلاق نہیں رہا، لہٰذہ ہر صوبے کو اپنا علیحدہ پولیس ایکٹ وضع کرنے کا اختیار مل چکا ہے۔ حالانکہ اصل صورتحال کچھ یوں ہے کہ اگر کوئی تبدیلی ہوئی ہے تو وہ یہ ہے کہ پارلیمینٹ اب صدر کی منظوری کے بغیر ترمیم کرسکتی ہے۔ اور اسی طرح سے ایک صوبائی اسمبلی اپنی مقامی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے وزیراعظم کی منظوری کے بغیر اس میں ترمیم کرسکتی ہے، جیسا کی آئین کی دفع ۱۴۳ میں وضع کیا گیا ہے کہ کوئی بھی صوبائی حکومت پولیس آرڈر کی ساخت یا اہم دفعات کو تبدیل نہیں کرسکتی۔ دفعہ 270 الف الف کے مطابق جب تک کہ مجاز حکام / یا ادارے کی جانب سے منسوخ یا ترمیم نہ کی جائے، 12 اکتوبر 1999 سے 31 دسمبر 2003 تک کے تمام قوانین، صدارتی احکامات، ایکٹس اور آرڈیننس نافذ العمل رہیں گے۔ کسی اصول کی خلاف ورزی کی صورت میں، دستور کی دفعات 142 (ب) کے مطابق وفاقی قانون کو نافذ کیا جائے گا۔

اس حوالے سے دیکھا جائے تو بلوچستان صوبائی اسمبلی میں پولیس ایکٹ 2011 کے اعلامیہ میں پولیس آرڈر کو منسوخ کرنا آئین کی روح کی خلاف ورزی ہے اور اس معاملے کو اعلیٰ عدلیہ کے سامنے پیش ہونا چاہیئے۔

پنجاب حکومت نے درست طریقہ کار کی پیروی کی۔ صوبائی اسمبلی نے پنجاب پولیس آرڈر (ترمیمی) ایکٹ 2013 کو پاس کیا جس میں اصل قانون کی دفعہ 7 میں نچلے درجے پر بھرتی کے ضمن میں ترمیم کی گئی اور دفعہ 18 کو تبدیل کیا گیا تا کہ تفتیشی افسران اپنے فرائض عوامی مفاد میں استعمال کریں، اور انصاف کی بہتر فراہمی ممکن ہو سکے۔

اسی طریقے سے کے پی کے کی موجودہ حکومت بھی اپنی مقامی صورتحال کے مطابق پولیس آرڈر 2002 میں مناسب ترامیم کر رہی ہے۔

چنانچہ، وفاقی حکومت بھی پولیس آرڈر کے باب 9 کے مطابق نیشنل پبلک سیفٹی کمیشن کے قیام کے مراحل سے گذر رہی ہے۔ جبکہ اسپیکر اسمبلی نے بھی چھ اراکین قومی اسمبلی (3 حکومت کی جانب سے اور 3 حزب اختلاف کی جانب سے) کی نامزدگی کی منظوری دے دی ہے۔ یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وزیر داخلہ، چونکہ این پی ایس سی کے چیئرمین ہیں، بہت جلد چھے غیر سیاسی اراکین کو منتخب کرنے کا عمل شروع کریں گے تا کہ یہ اہم نگران باڈی 2010 کے بعد ایک بار پھر سرگرم ہو کر اپنے فرائض سرانجام دے سکے۔ نیشنل پولیس بیورو اس کے سیکرٹریٹ کے طور پر خدمات ادا کرے گا۔

پولیس خدمات کی فراہمی اور حالیہ حکومتیں

مئی 2013 کے انتخابات میں عوام کی جانب سے دیا گیا مینڈیٹ اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ عوام بہتر طرزِ حکومت اور قانون کی حکمرانی چاہتے ہیں۔ عوام نے ان سیاسی جماعتوں کو رد کر دیا جو 2008ء سے 2013ء کے جمہوری عرصے کے دوران صحیح انداز سے حکومت کرنے میں ناکام ہو چکی تھیں۔ وفاقی اور صوبائی حکومتوں کی کارکردگی ڈیڑھ سال کے عرصے تک میڈیا اور عوام کڑی تنقید سے گذرتی رہی ہے۔ موجودہ حکومت کی سیاسی کارکردگی اور انتظامیہ کا جائزہ لینے کے لیے یہاں پر ایک غیر جانبدارانہ اور پیشہ ورانہ جائزہ لیا جا رہا ہے۔

وفاقی حکومت

وفاقی حکومت پولیس نظم و نسق کی فراہمی سے متعلق چند مثبت اقدامات کئے ہیں جبکہ عوامی خدشات کے ازالے میں چند کمزوریاں بھی دکھائی ہیں۔ درج ذیل مثال اس سے متعلق ہیں۔

۱۔ وزارتِ داخلہ پہلی بار ایک جامع نیشنل انٹرنل سیکیورٹی پالیسی (2014-2018ء) پیش کی جس کے ذریعے پولیس فورس کی تربیت اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے کام میں بہتری کے لئے اصلاحات موجود ہیں۔ تاہم، این آئی ایس پی پر عمل درآمد اس لئے مشکل ہے کیونکہ اس کے لئے مالی وسائل تسلی بخش نہیں ہیں۔

۲۔ ایک سال سے زائد عرصے تک، وفاقی حکومت نیشنل کاؤنٹر، ٹیررزم اتھارٹی کے لیے ایک پیشہ ور کاؤنٹر ٹیررسٹ ماہر کو بطور سربراہ تعینات نہ کر سکی۔ قانون کے مطابق آئی ایس آئی اور آئی بی کی طرح نیکٹا وزیراعظم کے ماتحت تصور کیا جاتا ہے۔ البتہ، وزارت داخلہ، نیکٹا کو اپنے ماتحت لانے کی خواہشمند ہے اور یہی وجہ ہے کہ ابھی تک تمام فوجی اور سویلین ایجنسیوں کو اندرونی سیکیورٹی چیلنجز کا سامنہ کرنے میں مشکل پیش آ رہی ہے۔ نتیجتاً ہمارے یہاں کوئی کاونٹر ٹیریزم حکمت عملی اور دھشتگردی کی روکتھام کے منصوبے ابھی تک نہیں بن سکے۔ ایک فوجی پسمنظر کے حامل سول سرونٹ کو نیکٹا کا سربراہ مقرر کیا گیا ہے جسے آگے چل کر پولیس فورس کو پیشہ ور بنانے کے لئے کئی جرأتمندانہ کام کرنا ہونگے۔

۳۔ وزیراعظم نے انٹیلی جنس بیورو کے ڈی جی کے طور پر ایک پیشہ ور اور لائق پولیس افسر کو تعینات کر کے یقیناً بہت اچھا فیصلہ کیا۔ جس نے کراچی اور دیگر علاقوں میں دہشت گرد اور دیگر جرائم پیشہ عناصر کے خلاف انٹیلی جنس کی بنیاد پر آپریشن کر کے ایک مثال قائم کی ہے۔

۴۔ وفاقی حکومت نے ستمبر 2013ء میں کراچی میں ٹارگٹ کلنگز اور دیگر منظّم جرائم کے خلاف آپریشن کی نہ صرف معاونت بلکہ قیادت کی۔ آغاز ہی میں رینجرز، آئی بی اور کراچی پولیس کی شراکت سے بہت اچھے برآمد ہوئے۔ بیانات کے مطابق صوبائی حکومت اور اس کے اتحادیوں نے اس بات کو محسوس کیا۔ تاہم کراچی پولیس کے بہادر کمانڈر کو ایک تکنیکی قانونی معاملے کے تحت ہٹا دیا گیا اور اس کے مقابلے میں اور کوئی نہ آسکا۔ مزید یہ کہ، وزیراعظم ایک آئی جی کو نا بچا سکے نہ ہی کوئی ایسا افسر تعینات کر سکے، جو وفاقی حکومت کی منشا کے مطابق ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جرائم پیشہ عناصر کے خاتمے کے لیے کیے جانے والے آپریشن کا زور ٹوٹ گیا ساتھ ہی کراچی آپریشن وفاقی حکومت کی ترجیحات کی فہرست میں کافی نیچے چلا گیا۔

۵۔ اگست 2014ء سے اسلام آباد میں پی ٹی آئی اور پی اے ٹی کی جانب سے طویل عرصے تک دھرنے، جلوسوں اور ریلیوں نے وفاقی حکومت کی رٹ کو ایک کڑے امتحان میں ڈال دیا۔ کیشدگی اور بدنظمی کو ایک افراتفری والی صورتحال سے نمٹایا گیا، پولیس کمانڈروں کو بار بار تبدیل کیا گیا جاتا رہا اور اسلام آباد پولیس کی صفوں میں ایڈھاک ازم اور غیر یقینی کی صورتحال کو فروغ ملا اور افسر شاہی کی جانب سے بلا جواز مداخلت کا نتیجہ یہ نکلا کہ دارالحکومت میں پولیس خدمات کی فراہمی ناممکن ہوگئی۔ پنجاب پولیس اور رینجرز کے بھاری نفری کی وجہ سے حالات

بحر حال کچھ قابو میں رہے۔ احکامات پر عمل کرنا اور عوامی نظم وضبط کو قائم رکھنا دارالحکومت کی پولیس کے لیے بڑے چیلنجز ہیں۔

پنجاب میں امن وامان کی صورتحال

صوبہ پنجاب دو دہائیوں سے ایک ہی جماعت، ایک ہی خاندان اور شخصیت کے زیرِ انتظام ہے۔ وہ ایک شخصیت محمد شہباز شریف کی ہے۔ جنہوں نے افسر شاہی کی نافرمانیوں کے خلاف سختی سے پیش آ کر ایک خاص شہرت حاصل کی ہوئی ہے۔

وزیراعلیٰ کے عہدے کے پہلے نامکمل عرصے (1997 سے 1999ء) کے دوران وہ جرائم پیشہ عناصر اور دہشت گردوں کے خلاف سے لڑتے رہے جس میں انھیں ایک اعلیٰ اور قابل پولیس کی قیادت حاصل رہی اور ساتھ ہی ساتھ انہوں نے ریاستی پالیسیوں پر سختی سے عمل درآمد کرایا۔ ان کو مزید اطمینان یہ بھی تھا کہ ان کے بڑے بھائی وزیراعظم ہیں۔

(ن) لیگ کی قیادت جلاوطنی کے عرصے کے بعد وطن واپس پہنچی اور فقط ایک ایجنڈے کے ساتھ 2008ء کے انتخابات میں شریک ہوئی جو کہ فوجی آمر کی جانب سے برطرف کیے گئے ججوں کی بحالی اور عدلیہ کی آزادی پر مشتمل تھا۔ پنجاب کے عوام نے شریف برادران پر اعتماد کا اظہار کیا اور یوں ن لیگی قیادت صوبے میں 5 سال کے عرصے تک سیاسی اتار چڑھاؤ اور مصلحتوں کے ذریعے حکومت کرنے کے قابل ہوگئی۔ بعد میں انہوں نے پولیس چیف افسران کی بار بار تبدیلی اور ضلعی، سب ڈویژن اور تھانے تک کی سطح پر سیاسی اثر ورسوخ پر کوئی اعتراض نہ کیا، جس کی وجہ سے ایس پیز، ڈی ایس پیز اور ایس ایچ اوز کے بار بار تبادلے ہوتے رہے۔

مئی 2013ء کے انتخابات کے نتیجے میں (ن) لیگ کو پنجاب بھر میں بھاری کامیابی حاصل ہوئی اور وہ مضبوط شخصیت دوبارہ اقتدار میں آ گئی۔ البتہ، امن و امان کی صورتحال کو پچھلے ڈیڑھ سال کے عرصے کے دوران مختلف نوعیت کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان میں سے چند درج ذیل میں دی گئی ہیں۔

۱۔ دہشت گردی، فرقہ وارانہ قتل وغارت اور بم دھماکوں کے حوالے سے سال 2013ء پچھلے دس سالوں میں سب سے زیادہ برا تھا۔ خصوصاً کے پی، فاٹا اور کراچی کے حوالے سے ۔ جبکہ پنجاب کافی پرامن رہا۔ البتہ مذہبی انتہا پسندی اور عدم برداشت کی باعث اقلیتوں خصوصاً، عیسائی برادری کے خلاف ظلم وتشدد اور مذہبی انتہا پسندی کے کافی واقعات رونما ہوئے۔ 2013 کے آخری حصے اور 2014ء کی شروعات میں شیعہ مسلک سے وابستہ ڈاکٹروں اور دیگر پیشہ ور افراد کی ٹارگٹ کلنگ کے واقعات بھی سامنے آئے۔ فرقہ وارانہ ٹارگٹ کلرز کے ایک گروہ کو ختم کر دیا گیا جس کے باعث فرقہ وارانہ فسادات میں کافی حد تک کمی آ گئی۔ البتہ یہ خیال کہ پنجاب حکومت چند عسکری گروہوں کے لیے نرم گوشہ رکھتی ہے، چند سیکیورٹی تجزیہ کاروں کے مطابق غیر ریاستی عناصر کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے قائم کیا گیا تھا۔

۲۔ 2013ء کے نسبت 2014ء میں وحشیانہ جرائم میں کمی دیکھنے کو آئی: قتل 5350 کی نسبت 4989، ڈکیتیاں 4292 کی نسبت 4025 لوٹ کھسوٹ 5588 کی نسبت 5326 اور اغوا برائے تاوان 206 کی نسبت 163 واقعات پیش آئے۔ مزید برآں، 2014ء میں 2013ء کی نسبت زیادہ پولیس مقابلے ہوئے جن میں 235 مجرم قتل ہوئے جب کہ 2013ء میں قتل ہوانے والے مجرموں کی تعداد 217 تھی۔ 52 پولیس اہلکاران بھی شہید ہوئے۔ البتہ تقریباً 14 قتل، 11 ڈکیتیاں اور 15 لوٹ کھسوٹ کے واقعات کا روزانہ ہونا، صوبے میں فسادات اور اسلحے کا بکثرت استعمال گھمبیر مسائل اور خطرات کو جنم دیتا ہے۔

۳۔ 17 جون کو ماڈل ٹاؤن میں 17 افراد کا قتل بدقسمتی سے پنجاب پولیس کے چہرے پر بدنما داغ کی طرح ہے اور اس نے صوبے کے وزیرِ اعلیٰ کی اچھی شہرت کو بھی متاثر کر ڈالا۔ سیاسی قتل وغارت کے لیے پولیس کا وحشیانہ استعمال پنجاب حکومت کے لیے ناقابل فراموش رسوائی کا باعث بنا۔ پنجاب پولیس کو صورتحال پر قابو پانے میں بری طرح ناکامی پیش آئی۔ پولیس

نضم وضبط میں بہتری لانے کے لئے وزیراعلیٰ پنجاب عوامی مفاد میں پولیس میں اصلاحات کے ایک نئے منصوبے کا آغاز کر چکے ہیں۔ بلوچستان سے واپس بلائے گئے آئی جی میں اتنا پیشہ ورانہ عزم ہے کہ وہ حالات کو تبدیل کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ان کو پولیس نظم ونسق کے امور میں خودمختاری دی جائے۔

سندھ میں پولیس خدمات کی فراہمی : تقریباً ایک جیسی

بدقسمتی سے سندھ میں برے طرز حکمرانی اور جاگیردارانہ نظام کی وجہ سے پولیس نظم ونسق کبھی بھی بہتر طریقے سے قائم نہ ہوسکا۔ پولیس میں بدعنوانی، سیاسی مداخلت اور مفاد پرستی جاری رہی۔ بااثر افراد نے پولیس کو اپنے کنٹرول میں رکھا۔ ایک طرف ریاست کی رٹ کمزور رہی تو دوسری طرف جرائم کا کاروبار خوب چمکتا رہا۔ اس تمام صورتحال میں پولیس سول آرمڈ فورسز اور انٹیلی جنس ادارے بھی شامل رہے۔

2008 تا 2013 کے جمہوری دور میں جب پیپلز پارٹی کی اتحادی حکومت پہ در پہ بحرانوں سے گذر رہی تھی تو اس وقت سندھ میں بالعموم اور کراچی میں بالخصوص تشدد، ٹارگٹ کلنگز، اغوا برائے تاوان، بھتہ خوری، فرقہ ورانہ حملوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ ان عسکری گروہوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ دیکھنے میں آیا جنہیں سیاسی قوتوں کی پشت پناہی حاصل رہی۔

مئی 2013 کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کو مرکز اور پنجاب میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوسکی لیکن اُس نے صوبہ سندھ میں اپنا تسلط قائم رکھا۔ اس صوبے میں پیپلز پارٹی کو جو مینڈیٹ ملا اس نے پارٹی کو اس حد تک مضبوط بنایا کہ وہ ایسی سیاسی مصالحتوں سے باز رہے جو 2008ء سے اس کے گزشتہ دور حکومت میں خرابی کا باعث بنیں۔

ا۔ اس بات کا سہرا صوبائی حکومت کے سر ہے جس نے کراچی میں ستمبر 2013 میں شروع کیے جانے والے وفاقی حکومت کے آپریشن میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا۔ رینجرز اور فیڈرل انٹیلی جنس ایجنسیوں کی براہ راست شمولیت کے ساتھ ساتھ کراچی پولیس کو ایک بھرپور پیشہ ورانہ کمانڈ کے زیر اثر لایا گیا۔ تاکہ وہ اپنے نظام کو بغیر کسی سیاسی دباؤ یا امتیازی سلوک کہ منظم کر سکے اور ایک مجموعی آپریشن پر عمل درآمد کر سکے۔ حقیقت میں پولیس کمانڈ کو سیاسی دباؤ کی وجہ سے تبدیل نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اسی وجہ سے ایک سال سے جاری آپریشن کے باوجود خوفناک قتل و غارت اور ٹارگٹ کلنگز میں خاطر خواہ کمی کے نتائج برآمد نہیں ہو سکے بلاشبہ ایسے مقابلوں میں مجرموں اور دیگر ایسے افراد کی غیر معمولی تعداد ماری گئی۔

۲۔ ستمبر 2013 سے نومبر 2014ء تک یعنی آپریشن کے آغاز سے اب تک درج ذیل اعداد وشمار ایک مذموم داستان پیش کرتے ہیں۔

(ا) گزشتہ سال اسی عرصے میں ہونے والے 1485 پولیس مقابلوں میں مارے جانے والے 148 مجرموں کے مقابلے میں، اس دفعہ کے 2189 پولیس مقابلوں میں 641 مجرم مارے گئے۔

(ب) وسیع پیمانے پر مجرموں کے مارے جانے کے باوجود عمومی طور پر قتل کی شرح میں کمی نہیں آئی، 1094 کے مقابلے میں 1317 قتل کے واقعات کے ساتھ کراچی میں اوسطاً روزانہ تین افراد قتل کیے جاتے ہیں جس سے قتل کے مقدمات میں 223 کا اضافہ ہوا ہے۔

(ج) ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کے واقعات میں کمی نہیں آئی۔ بلکہ اضافہ ہوا ہے۔ نومبر 2014 تک آپریشن کے دوران 12095 ایسے واقعات پیش آئے، جبکہ گزشتہ سال اسی عرصے میں ایسے واقعات کی تعداد 1264 تھی۔ یعنی روزانہ کے حساب سے اوسطاً 5 ڈاکہ زنی کے واقعات پیش آتے رہے۔

(د) اغوا برائے تاوان کے مقدمات میں معمولی کمی آئی۔ 109 مقدمات کے مقابلے میں 95 واقعات پیش آئے یعنی روزانہ اوسطاً 14 مقدمات میں کمی ہوئی۔

(ہ) بھتے اور جبری وصولیوں کا کام ابھی بھی جاری ہے۔ ۲۲۴ کے مقابلے میں ۱۴۴۵ ایسے مقدمات پیش ہوئے یعنی ۲۲۱ مقدمات کا اضافہ ہوا۔

(و) شہید ہونے والے پولیس والوں کی بات کریں تو کراچی پولیس

نے بہت بڑی قربانی دی ہے۔2014ء میں صرف نومبر تک 140 پولیس اہلکاروں بشمول ایک ایس پی نے اپنی جان کی قربانی دی جبکہ 2013ء میں پولیس ہلاکتوں (171) کی ایک بڑی تعداد جرم کے خاتمے کے لیے پولیس کی بڑی قربانیوں کو ظاہر کرتی ہے۔ بدقسمتی سے پولیس قیادت کو اپنے عملے کی حفاظت کے لیے موزوں ساز وسامان اور ضروری تربیت فراہم نہ کرنا بے حد افسوسناک بات ہے۔

۳۔ کراچی جیسا شہر 20 ملین سے زائد آبادی کے ساتھ ریاستی ایجنسیوں کے لیے ایک بڑا چیلنج رہا ہے۔26504 کی معمولی تعداد پر مبنی اس کی پولیس فورس کا (پولیس کا آبادی کے ساتھ تناسب :850۔1) نئی دہلی سے کوئی مقابلہ نہیں جہاں 16 ملین آبادی کے لیے پولیس کا عملہ 57000 کی تعداد پر مشتمل ہے (تناسب :290۔1) اور لاہور کی ۱۱ ملین آبادی کے لیے پولیس فورس کی تعداد 32600 (تناسب :335-1) ہے۔

۴۔ صوبہ سندھ میں جرائم کی مجموعی صورتحال 2013 کے مقابلے میں 2014ء میں بھی ویسی ہی ہے۔ پولیس کے منظور شدہ عملے کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ ہے۔ پولیس کا آبادی کے ساتھ تناسب 470۔1 ہے جو کہ برا نہیں۔ جبکہ قتل و غارت اور اغوا برائے تاوان کے واقعات میں کمی آئی ہے (ایک خوش آئند پیش رفت)، جبکہ ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کے واقعات میں بدقسمتی سے اضافہ ہوا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ سندھ کی دیہی اور شہری آبادی میں تشدد کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے۔ جرم کی مجموعی تصویر کو مختصراً یوں بیان کیا جا رہا ہے:

(ا) قتل کے واقعات: 2013ء میں 3473 کے مقابلے میں 2014ء میں 3010، یعنی 463 مقدمات کی کمی واقع ہوئی۔ تاہم اوسطاً روزانہ 10 قتل کے واقعات کا ہونا ایک تشویش ناک امر ہے۔

(ب) اغوا برائے تاوان کے 171 مقدمات کے مقابلے میں 134 مقدمات پیش آئے، یعنی 37 مقدمات میں کمی۔

(ج) ڈاکہ زنی/ڈکیتی اور قتل 140: کے مقابلے میں 165 واقعات پیش آئے، یعنی خوفناک تشدد کے حوالے سے 25 واقعات کا پریشان کن اضافہ ہوا۔

(د) ڈاکہ زنی اور لوٹ مار کے دیگر واقعات جو لاقانونیت ظاہر کرتے ہیں: 4829 کے مقابلے میں 4325 ڈاکہ زنی کے واقعات جن میں ہر روز صوبے میں 13 وارداتیں ہوتی ہیں۔

(ہ) موٹر گاڑیوں کو چھیننا اور ان کی چوری ایک اور تشویشناک امر ہے: گزشتہ سال 441 گاڑیوں اور 2613 موٹر سائیکلوں کے مقابلے میں اس سال 50 گاڑیاں اور 2112 موٹر سائیکلیں چھینی گئیں۔ کار چوری میں کمی آئی: یعنی 853 کے مقابلے میں 695 مقدمات پیش ہوئے یعنی 158 مقدمات میں کمی آئی۔

(ا) پولیس مقابلوں کی کثرت معاشرے کے اندر اور ریاست کی جانب سے ظلم و تشدد کی عکاسی کرتی ہے: 2013ء میں 2616 کی نسبت میں 2014ء میں 3392 پولیس مقابلے ہوئے یعنی گولیاں چلنے کے واقعات میں 776 کا اضافہ ہوا۔

۵۔ مجموعی طور پر صوبے میں جرم کی صورتحال پولیس کے غیر موثر نظم ونسق، تشدد کے طریق کار اور سماجی و معاشی عدل کی غیر موجودگی کو ظاہر کرتی ہے۔ ایسی تکلیف دہ صورتحال سے باہر آنے کے لیے زبردست محنت درکار ہے۔

خیبر پختونخوا کی پولیس: ایک واضح تبدیلی۔

خیبر پختونخواہ کے عوام کے لیے گزشتہ دہائی بدترین ثابت ہوئی جیسا کہ پاک، افغان سرحد پر 11/9 کے بعد ہونے والی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں سب سے زیادہ وہی متاثر ہوئے۔ القاعدہ اور تحریک طالبان پاکستان نے پاکستان کی ریاستی ایجنسیوں کو اپنے خودکش حملوں اور بم دھماکوں کی وجہ سے ایک نہ رکنے والے خوف کی کیفیت میں مبتلا رکھا جس کے نتیجے میں ہزاروں کی تعداد میں معصوم شہریوں کی جانوں کا ضیاع ہوا جس سے شدید نقصان پہنچا۔ کے پی کے پولیس کے اہلکاروں، فرنٹیئر دستوں، انٹیلی جنس ایجنسیوں اور مسلح افواج نے پاکستان کی خاطر انتہائی بہادری سے جنگ لڑی اور اپنی جانیں قربان کیں۔ پولیس کے ڈی آئی جیز صبغت غیور اور ملک سعد خودکش حملوں میں شہید ہوئے اور کے پی پولیس میں بہادری کی

لازوال مثالیں قائم کیں۔13-2008 کے دوران اے این پی کی حکومت طالبان کے ظلم کا نشانہ بنی اور بہت سے مایہ ناز سیاستدان بشمول بشیر بلور نے اپنی جانیں قربان کیں۔2013ء کے پہلے نصف میں انتخاب سے پہلے کے پی میں بڑے پیمانے پر تشدد ہوا، مئی کے عوامی انتخابات میں کے پی کے عوام نے ہمیشہ کی طرح ایک مختلف پارٹی کو ووٹ دیا جبکہ اُن سے پہلی پارٹی کو شکست ہوئی۔ کے پی میں ایک نئی سیاسی قوت پاکستان تحریک انصاف کی شکل میں منظر عام پر آئی ہے، جس نے ایک ایسے صوبے میں فتح حاصل کی جہاں اے این پی کی صوبائی حکومت کو لاقانونیت، برے نظام حکومت اور بدعنوانی کی وجہ سے لوگوں نے رد کر دیا اور نئے لوگ اقتدار میں آ گیے۔ پی ٹی آئی کی صوبائی حکومت نے اچھے نظام حکومت اور امن و امان کے قیام کا وعدہ کیا تھا۔ اور یہ وہ مقصد تھا جو موثر نظم ونسق اور امن و امان کے قیام کے بغیر ناممکن تھا۔

خوش قسمتی سے اپنی باکمال اندرونی ڈپلومیسی یا سیاسی استحکام کی کوشش کے ذریعے پی ٹی آئی کی قیادت نے پنجاب سے تعلق رکھنے والے غیر معمولی صلاحیت کے حامل ایک پولیس آفیسر کو صوبے کا انسپکٹر جنرل پولیس مقرر کیا۔ پنجاب میں پی ایم ایل این کو نقصان ہوا لیکن حقیقتاً کے پی میں پی ٹی آئی کو فائدہ پہنچا۔ اُس آئی جی نے اپنی تعیناتی کے ایک سال سے زائد عرصے کے دوران ہی دہشت گردی کی جنگ سے متاثرہ صوبے کے حالات کو بہتر بنا دیا۔ کے پی حکومت نے ایک اہم ترین فیصلے کے تحت پولیس کے محکمے کی انتظامیہ اور آپریشنز میں آئی جی کو بھرپور اختیارات دیے۔ تاکہ وہ آزادانہ اور بغیر کسی سیاسی دباؤ کہ اپنا کام کر سکیں۔ وہاں میرٹ پر تعیناتیوں، ٹرانسفروں، پروموشنوں۔ بھرتیوں اور تحقیقات کے عمل کا آغاز کیا گیا۔ پوری پولیس قیادت کو ایک ہی قیادت کے تحت کنٹرول کیا جا رہا ہے۔

آپریشنل امور میں کے پی پولیس کو خودمختاری حاصل ہے تاکہ وہ بنیادی اصلاحات عمل میں لائے۔ ان اصلاحات کا مقصد امن و امان کی صورتحال کو بہتر بنانا اور اندرونی نظام میں اکاؤنٹبلٹی پر عمل کرنا ہے۔ چند اہم ترین اقدامات درج ذیل ہیں:

۱۔ پولیس کمپلینٹس اور انٹرنل اکاؤنٹبلٹی ڈائریکٹوریٹ کے قیام کے ذریعے تادیبی کاروائی عمل میں لائی گئی جس کی وجہ سے ایک سال میں ہی 339 بدعنوان پولیس اہلکاروں کو ملازمت سے نکال دیا گیا۔

۲۔ پولیس کی پیشاورانہ صلاحیت میں اضافے کے لئے ٹریننگ کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ پشاور میں سکول آف انوسٹی گیشن، ایبٹ آباد میں سکول آف انٹیلی جنس، پشاور میں سکول آف ٹیکٹکس، نوشہرہ میں سکول آف ایکسپلوسیو ہینڈلنگ مردان میں سکول آف پبلک ڈِس آرڈر مینجمنٹ، اور سوات اور صوابی میں دو اضافی مقامی تربیتی سکول جیسے پولیس کے تربیتی ادارے قائم کئے گئے ہیں۔

۳۔ چند دیگر اقدامات میں: پولیس کی تنخواہ میں اضافہ، انٹرنل کمانڈ ایکسیس لائن (آئی سی اے ایل) کے ذریعے کنٹیبلری کو پولیس قیادت تک براہ راست رسائی فراہم کرنا اور PSC کے ذریعے قابل پولیس اہلکاروں کی پروموشن میں تیزی لانا شامل ہیں۔

۴۔ تیسری پارٹی کے آڈٹ سسٹم کے ذریعے مالی انتظامات اور حصولیوں میں ٹرانسپرنسی لائی گئی ہے۔ نیب، خزانہ اور منصوبہ بندی کے محکموں کی شراکت سے حصولیوں کے عمل کو ازسرِ نو تشکیل دیا گیا۔

۵۔ دہشت گردی کے چیلنجز کو مدنظر رکھتے ہوئے چند کارآمد ریگولیٹری قانون سازی فریم ورک فراہم کیے گئے ہیں، یعنی ''قانون تحفظ تحدید عمارات کرایہ داری ایکٹ 2014ء، قانون تحدید ہوٹل بزنیس سیکیورٹیز ایکٹ 2014ء، حساس اور ضرر پذیر مقامات اور اداروں کے تحفظ کا آرڈیننس 2014ء''

۶۔ انٹیلی جنس اکٹھی کرنے، آپریشنز، تحقیقات اور نگرانی کے لیے ایک نیا انسدادِ دہشت گردی کا محکمہ (سی ٹی ڈی) قائم کیا گیا ہے جس کے شعبے صوبہ خیبر پختونخواہ کے 7 پولیس مقامات پر موجود ہیں۔

۷۔ ایلیٹ فورس کے اعلیٰ تربیت یافتہ افراد پر مبنی رپیڈ ریسپانس

فورس (آر آر ایف) قائم کی گئی ہے جس کے پاس جدید بارودی سامان موجود ہے، تاکہ دہشت گردوں اور مفرور افراد کے ساتھ پولیس مقابلوں، مسلح حملوں، اور یرغمال ہونے والی صورتحالوں سے نمٹا جا سکے۔ اسی طریقے سے بم ڈسپوزل یونٹ (پی ڈی یو) کو بھی ازسرِنو استوار کیا گیا ہے۔

۸۔ سوات میں ایک فارینسک سائنس لیبارٹری تکمیل کے قریب ہے اور دہشت گردی اور قتل جیسے جرائم میں تحقیقاتی معاونت کے لیے ایف ایس ایل موبائل یونٹ بھی موجود ہیں۔

۹۔ چند عوامی خدمت کے منصوبوں میں، تنازعے کے حل کی کونسلیں (ڈی آر سی از) پولیس کی معاونتی لائن (پی اے ایل)، آن لائن ایف آئی آر کی رجسٹریشن، پولیس کی رسائی کی سروس (پی اے ایس) اور پولیس اسٹیشنوں میں خواتین کی مدد کے لیے ڈیسکوں کا قیام شامل ہے۔ منظّم جرائم کے خلاف ایسی قابل ذکر کامیابیوں کے ساتھ ساتھ کے پی پولیس کو جنوبی وزیرستان اور فاٹا کے دیگر علاقہ جات میں عسکری آپریشن کے نتیجے میں ٹی ٹی پی کے جوابی حملوں کو روکنے میں ابھی بڑے چیلنجز کا سامنا ہے۔ مذکورہ بالا پولیس اصلاحات کے پی پولیس کے بارے میں عمومی تصور کو بہتر بنا رہی ہیں اور اُسے عوامی خدمت کے حوالے سے مثالی سمجھا جا رہا ہے۔ کے پی پولیس نے ایک ذمہ دارانہ اور اکاؤنٹیبلٹی پر مبنی نظام قائم کیا ہے۔ جس کی وجہ سے 2014 کے دوران امن و امان اور سیکیورٹی کی صورتحال میں بھی بہت زیادہ بہتری آئی ہے۔ اس حوالے سے درج ذیل نتائج اہمیت کے حامل ہیں:

(ا) 2013 کے مقابلے میں 2014 میں، خودکش بم حملوں میں پینتالیس فیصد کمی: گاڑی کے آئی ای ڈی حملوں میں پچاس فیصد کمی: آئی ای ڈی حملوں میں پچیس فیصد کمی: راکٹ حملوں میں تیس فیصد کمی: دہشت گردی کے نتیجے میں ہونے والیں اموات میں پچاس فیصد کمی واقع ہوی ہے۔

(ب) پولیس مقابلوں میں 174 دہشت گرد گرفتار ہوئے، 27 دہشت گردوں کا انسدادِ دہشت گردی کی عدالتوں میں جرم ثابت ہوا اور 26 مارے گئے۔

(ج) پولیس نے 193 اغوا کاروں کو گرفتار کیا اور اغوا ہونے والے 180 افراد بازیاب ہوئے۔

16 دسمبر 2014ء کو آرمی پبلک سکول پشاور میں سکول کے معصوم بچوں کو سفاکانہ طریقے سے نشانہ بنانے کا واقعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ تشدد پسندوں اور ملک دشمن قوتوں کے درمیان جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی۔ تاہم اس سانحے نے ساری قوم کو اس بات کے لیے تیار کر دیا ہے کہ وہ قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں کا ساتھ دیں تاکہ اس خطرے سے ہمیشہ کے لیے نمٹا جا سکے۔ کے پی اس خطے میں بحرانوں کا سامنا کرنے والا فرنٹ لائن صوبہ ہے۔ اس لیے اسے حکومت اور سول سوسائٹی کی بھرپور توجہ اور معاونت کی ضرورت ہے۔

بلوچستان: پولیس نظم ونسق سے محروم

بلوچستان میں فوجی اور سویلین حکومتیں یکے بعد دیگرے آتی رہیں۔ فوجی ڈکٹیٹر کی پالیسی کے نتیجے میں بلوچوں میں حالیہ بغاوت شروع ہوئی۔ 2005ء میں بندوق کی نوک پر وہاں کی سیاسی اور سیکیورٹی کی صورتحال کو کنٹرول کرنے کی کوشش کی جاتی رہی۔ اس سے پہلے نو گمشدہ افراد کا مسئلہ اور اس کے بعد 26 اگست 2006ء میں کوہلو کے قریب ایک غار کے اندر نواب اکبر بگٹی کی اچانک موت ایسے عوامل ہیں جو بڑے بلوچ قبائل میں منافرت اور بے یقینی کا باعث بنے اور یہ وہ واقعات ہیں جو پاکستان کے انتہائی اہم ترین خطے کی سیاست میں ایک چبھتا ہوا زخم بن کر موجود ہے۔ بلوچستان کوئی دور دراز کا مضافاتی علاقہ نہیں ہے بلکہ ہمارے مستقبل کی خوشحالی کا مرکز ہے۔ ہماری ترقی کے لیے وہاں پر امن کا قیام ضروری ہے۔

2002 سے 2007ء کے نیم جمہوری دور کے بعد 2008ء سے 2013ء تک، پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت نے برے طرز حکمرانی کے تمام سابقہ ریکارڈز توڑ ڈالے۔ ان کے دور میں سیاسی بدعنوانیاں عروج پر رہیں۔ نااہل سویلین حکومت نے جیسے ہی اپنی اتھارٹی کو ختم کیا تو فرنٹیئر کارپس اور انٹیلی جنس ایجنسیوں نے اس خلا کو پر کیا۔ پولیس کا دائرہ کار محض قبائلی سرداروں کی خدمت تک محدود کر دیا گیا تھا۔ سرداروں کے حکم کے

آ گے ریاست اور پولیس کمزور ہو چکی تھی۔ جس کے نتیجے میں صوبے میں ہونے والی پر تشدد کاروائیوں کے نتیجے میں سپریم کورٹ کو اعلان کرنا پڑا کہ کوئٹہ میں حکومت اپنی اتھارٹی کھو چکی ہے اور صوبے کے اُمور چلانے میں نا کام ہے۔

مئی 2013ء کے انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی اور اس کے اتحادیوں کو شکست ہوئی اور پی ایم ایل این کی حکومت بنی جبکہ این پی اور پی ایم اے پی نے بطور اتحادی اقتدار میں حصہ لیا۔ بی این پی کے مینگل کی شمولیت ایک مثبت پیش رفت تھی۔ بلوچ قومیت پرستوں میں چند گروہوں جن کا تعلق ہر بیئرمری کے زیر قیادت بی ایل اے، براہمداگٹی کی زیر قیادت بی آر اے اور ڈاکٹر اللہ نظر کی زیر قیادت بی ایل ایف تھا، انہوں نے لڑنے جھگڑنے کی بجائے ووٹ ڈالنے کو ترجیح دی اور انتخابات میں حصہ لیا۔ یہ ایک خوش آئند بات ہے۔

ایک بہت حیران کن لیکن مثبت پیش رفت اسی وقت عمل میں آئی جب پی ایم ایل این نے بطور بڑی جماعت کہ یہ فیصلہ کیا کہ چیف ایگزیکٹو اتحادیوں میں سے ہونا چاہئیے۔ حالانکہ یہ فیصلہ چند مقامی قائدین کے لیے مایوسی کا باعث بھی تھا۔ بلوچستان میں پہلی مرتبہ ایک مہذب شخص نے جو کہ بلوچ نہیں تھا، بطور چیف منسٹر اپنا عہدہ سنبھالا۔ بلوچ سیاست میں یہ ایک بڑی تبدیلی ہے جو کہ صوبے کے درمیانے طبقے اور نوجوانوں کے لیے بھی حوصلہ افزا ہے۔ چیف منسٹر نے اچھی حکمرانی کا عہد کیا اور اُمید ظاہر کی کہ وہ بلوچستان کے دور دراز علاقوں میں رہنے والے ناراض بلوچوں کا اعتماد بحال کریں گے اور لندن اور جنیوا میں جا نے والے ناراض سرداروں سے گفت وشنید کریں گے۔ ابھی تک یہ ایک مشکل ترین عمل ہے۔

تاہم صوبے کے شہری مقامات میں نظم ونسق کے محدود دائرے کے اندر چند رکاوٹیں ختم ہوئیں ہیں جن کے مثبت نتائج درج ذیل ہیں:

۱۔ 2014 میں 2013ء کے 276 مقدمات کے مقابلے میں دہشت گردی/ تخریب کاری کے 129 مقدمات درج ہوئے یعنی اُن میں 39 فیصد کمی واقع ہوئی۔

۲۔ 2013ء میں ٹارگٹ کلنگز (قانون نافذ کرنے والے اہلکاروں، ہزارہ کے عوام پنجابی آبادیوں وغیرہ کے خلاف) 95 مقدمات کے مقابلے میں 2014ء میں 69 مقدمات منظر عام پر آئے یعنی اُن میں 28 فیصد کمی واقع ہوئی۔

۳۔ پولیس کے لیے اغواء برائے تاوان ایک چیلنج رہا مگر اس ضمن میں کوششوں کے مثبت نتائج برآمد ہوئے۔ 2013ء میں 67 مقدمات کے مقابلے میں 2014ء میں 44 مقدمات درج ہوئے یعنی اُن میں 34 فیصد کمی واقع ہوئی۔

۴۔ 2014ء میں موٹر سائیکل چھیننے کے 335 اور گاڑی چھیننے کے 62 مقدمات کے برعکس 2014ء میں کار چھیننے کے 39 اور موٹر سائیکل چھیننے کے 125 مقدمات منظر عام پر آئے یعنی اُن میں 37 فیصد اور 63 فیصد کی بتدریج کمی واقع ہوئی۔

امن وامان کی صورتحال میں قدرے بہتری آئی ہے حالانکہ وہ ابھی بھی عوامی توقعات سے کم ہے۔ لیکن پولیس کی قیادت حکومت کی معاونت سے ایک اصلاحاتی ایجنڈے پر عمل کر رہی ہے۔ چند اہم اقدامات ذیل میں بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ پولیس نے سی آئی ڈی، پولیس ٹریننگ کالج، بلوچستان کانسٹیبلری اور اینٹی ٹیررزم فورس ٹریننگ سکول کی از سر نو تشکیل کی ہے۔

۲۔ مسلح افواج کے ذریعے پولیس کی تربیت اور آن کی استعداد میں اضافہ کیا جا رہا ہے جس میں اسلحہ کی فراہمی بھی شامل ہے تا کہ سخت ترین مجرموں کے خلاف لڑائی میں انہیں بھرپور اہلیت حاصل ہو۔

۳۔ بالخصوص آئی جی کو ذاتی طور پر نشانہ بنانے اور اس کے گھر کو دھماکے سے اُڑانے کے بعد بلٹ پروف گاڑیاں اور جیمرز بھی خریدے گئے۔

۴۔ وسائل ناکافی ہونے کے باوجود، صوبائی حکومت نے پولیس فورس کی موثر تعمیر نو کے لیے بلین روپوں کی رقم مختص کی۔

۵۔ صوبے میں سڑکوں کے وسیع جال کے قیام کے لیے ہائی وے پولیس فورس میں اضافے کے لیے 4 بلین روپوں کی تاریخی رقم بھی مختص کی ہے۔

۶۔ کوئٹہ میں ایک ہی پولیس قیادت کے تحت کنٹرول سنٹر جن میں کیمرے نصب ہیں، قائم کیے گئے ہیں۔

۷۔ حال ہی میں 1600 کونسٹیبلز کو میرٹ پر بھرتی کیا گیا ہے۔ پولیس آپریشنز میں بہت ہی کم سیاسی مداخلت ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ دو آئی جیز کو موجودہ وزیراعلیٰ کے دور میں آزادانہ طور پر کام کرنے کی اجازت دی گئی حالانکہ یہ بات کئی سیاسی عہدیداران کے لیے بیزاری کا باعث بنی۔ وزیراعلیٰ صاحب اچھی طرزِ حکمرانی کے قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جس پر اُنہیں سیاسی مخالفت کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔

پولیس نظم ونسق کے اصول:

1829 میں سر رابرٹ پیل نے لندن میٹرو پولیٹن پولیس کو قائم کیا تو جن اصولوں پر اس کی بنیاد رکھی وہ 21 ویں صدی میں بھی نظم ونسق میں کارفرما ہیں۔ ہر عوامی خدمت گزار پولیس فورس کو ان س پر عمل کرنا چاہیئے۔

۱۔ پولیس کے قیام کا بنیادی مقصد جرم اور بدانتظامی کو روکنا ہے۔

۲۔ پولیس اپنے فرائض کی بجا آوری کی کس حد تک قابلیت رکھتی ہے اس بات کا دارومدار اس بات پر ہے کہ انہیں کس قدر عوامی حمایت حاصل ہے۔

۳۔ قانون کے رضا کارانہ نفاذ میں پولیس کو عوامی تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے تا کہ عوام کی حفاظت اور اُن کی عزت کو قائم رکھا جا سکے۔

۴۔ عوام کی جانب سے تعاون جتنا زیادہ ہوگا طاقت کے استعمال اور اس کی ضرورت میں اُتنی ہی کمی آئے گی۔

۵۔ پولیس کو عوامی حمایت حاصل کرنے کے لیے عوامی رائے کے مطابق چلنے کی بجائے صرف اور صرف قانون کے نفاذ کے لیے اپنے فرائض اور خدمات ادا کرنی چاہیئں۔ اور پولیس کے ان کاموں میں سیاسی مداخلت نہی ہونی چاہیے۔

۶۔ پولیس طاقت کا استعمال صرف قانون کے نفاذ کو یقینی بنانے کی حد تک کرتی ہے یا پھر صرف اُس وقت جب امن بحال کرنے کے لیے ترغیب، نصیحت، وارننگ وغیرہ جیسے طریقے ناکافی ثابت ہو جائیں۔

۷۔ پولیس کو ہمیشہ اپنی کاروائیوں کو اپنے فرائض کی بجا آوری سے وابستہ رکھنا چاہیئے اور کبھی بھی عدلیہ کے اختیارات استعمال نہیں کرنے چاہئیں۔

۸۔ پولیس کی اہلیت کا امتحان جرم اور بدنظمی کا ختم ہو جانا ہے نہ کہ اُن سے نمٹنے کے لیے پولیس کی کاروائی کا نظر آتے رہنا۔

عوامی خدشات

پولیس نظم ونسق کے ان اہم ترین اصولوں کے برعکس، یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ پاکستان میں پولیس کو زیادہ تر ریاست کے ایک پرتشدد آلے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اکثر اوقات شکایت کرنے والوں اور بدعنوان پولیس کمانڈرز اور سیاسی قیادت کے درمیان ایک ایسا بندھن قائم ہو جاتا ہے، جس میں سب سے بڑا نقصان عوام کو ہوتا ہے۔ ایسی صورتحال میں قانون کی حکمرانی اور عوام کی جمہوری اُمنگوں کی پراہ نہیں کی جاتی۔ حکمران پولیس میں ٹرانسفروں، پوسٹنگز اور پروموشنوں کے ذریعے پولیس پر اپنا اثر ورسوخ برقرار رکھتے ہیں جس سے پولیس کا نظم وضبط تباہ ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ پولیس کے انتظامی معاملات میں بھی مداخلت کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے پولیس کی قیادت میں کافی بے قاعدگیاں ہیں۔ پولیس اور سیاست کے اس ملاپ سے ملک کے بے بس عوام متاثر ہوتے ہیں۔ عوام کا حق ہے کہ انہیں ایک طرف ایک بہتر طرز حکومت ملے جس میں قانون کی حکمرانی قائم ہو اور دوسری طرف پولیس کا ایسا نظام قائم ہو جہاں سیاسی مداخلت کی بجائے میرٹ پر بھرتیاں کی جائیں۔ ایسی پولیس فورس موجود ہو جو مجرموں کو پکڑ کر انھیں ان کے انجام تک پہنچا سکے۔ اور عوام کو تحفظ حاصل ہو۔ لیکن یہ سب باتیں عوام کے لیے ایک خواب سے کم نہیں۔ لیکن آخر کب تک ایسا ہوتا رہے گا؟ پاکستان کے عوام اچھے طرز حکمرانی اور قانون کی حاکمیت چاہتے ہیں اور وہ اس کے حق دار ہیں۔

پولیس اصلاحات۔ مستقبل کے لیے لائحہ عمل

پولیس آرڈر 2002 کے دیباچے کے مطابق پولیس کے قیام کا مقصد ''جرم کی موثر روک تھام اور اس کی پیش بندی کرنا اور عوامی سطح پر امن وامان کا قیام ہے''۔ اس کا فرض ہے کہ وہ آئین، قانون اور عوام کی خواہشات کے مطابق اپنے فرائض کو ادا کرے''۔ پولیس کی ایسی کارکردگی کے حصول کے لیے اس کا پیشہ ورانہ، خدمت گزار اور عوام کو جوابدہ ہونا ضروری ہے۔ لہٰذا پولیس نظم ونسق کا تمام تر تعلق عوام یا اس طبقے سے ہے جس کی اسے خدمت کرنا ہے۔ نظم ونسق کا قیام ایک عوامی خدمت ہے۔ لہٰذا قانون کی حکمرانی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے حکومتوں اور سرکاری عہدیداران کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسی پولیس فورس قائم کریں جو سیاست میں ملوث نا ہو اور آزادانہ اپنے فرائض ادا کرے۔ اس کے ساتھ ہی مکمل طور پر پیشہ ورانہ عوامی خدمت کی حامل ہو۔ پولیس میں اصلاحات لانے کے لیے عوامی

مفاد میں درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

وفاقی حکومتوں کو اس ضمن میں پہل کرتے ہوئے درج ذیل اقدامات کا آغاز کرنا چاہئیے۔

۱۔ پولیس آرڈر 2002 ایک آئینی حیثیت رکھتا ہے اور عوام کی جمہوری اُمنگوں پر پورا اُترتا ہے۔ اس قانون میں ایسی کوئی غیر جمہوری دفعہ موجود نہیں یا وہ جو پولیس کو بے لگام اختیارات دے۔ اس آرڈر کے تحت پولیس کو ایک ایسے انتظامی کنٹرول میں لایا گیا ہے جس میں بیوروکریسی ملوث نہی۔ لہٰذا حکومت اس قانون کو آئینی فریم ورک کا حصہ سمجھتے ہوئے لازمی قرار دیتی ہے۔

۲۔ وزارت داخلہ (قومی پولیس بیورو) کو نیشنل پبلک سیفٹی کمیشن کا قیام عمل میں لانا چاہئیے جو قومی اسمبلی کے سپیکر کی جانب سے نامزد کردہ 16 یم این ایز اور 6 غیر سیاسی اراکین پر مشتمل ہو۔ این پی ایس سی کی نگرانی کا کام وفاقی قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ضمے ہے ہے جن کا دائرہ عمل تمام صوبوں تک قائم ہے۔ سندھ اور بلوچستان میں جہاں پولیس آرڈر 2002 کو انتہائی بری طرح منسوخ یا تبدیل کر دیا گیا، وہاں بھی وفاقی قانون نافذ کرنے والے اداروں کا کنٹرول موجود ہے۔

۳۔ وفاقی حکومت کو پولیس آرڈر 2002 کے آرٹیکلز 102۔97 کے مطابق ایک خودمختار وفاقی پولیس کمپلینٹ سینٹر قائم کرنا چاہئیے۔ سپریم کورٹ کا ایک اچھی شہرت کا حامل ریٹائرڈ جج پی سی اے کی سربراہی کرسکتا ہے۔

۴۔ 1861 کے پولیس ایکٹ کو اسلام آباد دارالخلافہ میں منسوخ کیا جانا چاہئیے اور اس کی جگہ پولیس آرڈر 2002 کو عمل میں لانا چاہئیے۔ اس طرح سے پولیس آرڈر 2002 کے باب 7 کے تحت اسلام آباد ضلعی پبلک سیفٹی کمیشن قائم کرنا چاہئیے۔

۵۔ نیشنل پولیس بیورو کو یہ یقین دہانی کرانی چاہئیے کہ وفاقی اور صوبائی قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں کے سربراہوں پر مبنی نیشنل مینجمنٹ بورڈ کا اجلاس سال میں کم از کم دو بار منعقد ہونا چاہئیے۔ اس اجلاس کا مقصد پولیس کے پیشہ ورانہ اُمور پر سفارشات مرتب کرنا ہے۔

۶۔ اسلام آباد دارالخلافہ پولیس کو میٹرو پولیٹن نظم ونسق کے ماڈل پر عمل کرتے ہوئے بنیادی پولیس یونٹ کے درجے کو سٹیشن سے بڑھا کر ڈویژن تک لے جانا چاہئیے جس کی سربراہی ایس پی کرے۔ اس طرح ایک طرف عوام کو سہولت حاصل ہوگی اور دوسری طرف پولیس نظم ونسق کا سارا انتظام ایک ہی قیادت کے زیر کنٹرول رہے گا۔ یوں پولیس اپنے فرائض کو بھرپور پیشہ ورانہ انداز میں ادا کر سکتی ہے۔

صوبائی حکومتوں کو پولیس میں تبادلوں کو سنجیدگی سے روکنا چاہئیے۔ پولیس کو سیاست سے پاک کرنا ضروری ہے تاکہ وہ ایک مضبوط پیشہ ورانہ محکمہ بن سکے۔ درج ذیل سفارشات غور طلب ہیں:

۱۔ پنجاب حکومت نے ستمبر 2013 میں پولیس آرڈر 2002 میں چند مفید ترامیم کی ہیں تاکہ عوامی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے تفتیشی کے عمل کو منظّم بنایا جائے اور پبلک سروس کمیشن کے ذریعے اسسٹنٹ سب انسپکٹروں (اے ایس آئیز) کی جگہ سب انسپکٹروں کی بھرتی عمل میں لائی جائے۔ 1200 ایس آئی ایز خالصتاً میرٹ پر بھرتی کیے گئے اور انھیں پولیس کالج سہالہ میں تربیت بھی دی جارہی ہے، پولیس کے نظام میں میرٹ کو بروئے کار لانے کی یہ ایک فخریہ کوشش ہے۔ اُمید کی جاتی ہے کہ اس عمل کو دوسرے صوبے بھی اپنائیں گے کیونکہ یہ ایک مثالی طریقہ ہے۔

۲۔ خیبر پختونخواہ حکومت نے 2002 کے پولیس آرڈر کو ترک نہیں کیا بلکہ وہ اس میں مقامی حوالے سے چند مفید ترامیم لانا چاہتی ہیں۔ اس حوالے سے بات چیت کا عمل جاری ہے۔ صرف صوبائی حکومت کے پاس صوبائی پبلک سیفٹی کمیشن موجود ہے اور اب وہ اُسے بطور پولیس کا نگران ادارہ، مزید موثر بنانے پر غور کررہی ہیں۔

۳۔ صوبہ سندھ کو واپس پولیس آرڈر 2002 سے نافذ کرنا چاہئیے جسے 2011ء جولائی میں منسوخ کر دیا گیا تھا۔ اسی طریقے

سے صوبہ بلوچستان کو بھی 2011 کے پولیس ایکٹ کو منسوخ کر دینا چاہئیے، جو کہ 1861 کے ایکٹ کی ایک کاربن نقل ہے اور سنجیدگی سے پولیس آرڈر 2002 پر عمل درآمد پر غور کرنا چاہئیے۔

۴۔ اس وقت عوامی شکایات کے ازالے کے نظام کو اولین ترجیح دینی چاہئیے اور اسے کے پی پولیس کی طرح صحیح خطوط پر استوار کرنے کی ضرورت ہے۔ آن لائن ایف آئی آر رجسٹریشن، پولیس ہیلپ لائنیز، روزمرہ شکایات کے لیے ڈاک خانوں کا استعمال پولیس کے معاونتی سینٹرز، جو سویلین سپورٹ سٹاف پر مبنی ہیں اور خواتین کے لیے ہیلپ ڈسکوں کا قیام ایسے اقدامات ہیں جو عوامی سہولت کے لیے ضروری ہیں۔

۵۔ بڑے شہروں میں پولیس نظم ونسق کے میٹروپولیٹن ماڈل کو قائم کرنے کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے کراچی، لاہور، پشاور، کوئٹہ جیسے بڑے شہروں میں قائم پرانی طرز کے چھوٹے پولیس اسٹیشنوں کو ڈویژنوں میں تبدیل کرنا چاہئیے جن کی سربراہی ایس پیز کریں گے۔ ان ایس پیز کو انتظامی اور مالی معاونت حاصل ہوگی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ روایتی ایس ایچ اوز کی طرح کام کریں گے بلکہ اس کا مقصد پولیس کے بنیادی یونٹ کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا ہے، تاکہ جرائم کی روک تھام اور اُن کا پتہ لگانے میں آسانی ہو اور امن وامان کا قیام ممکن ہو سکے۔ ٹریفک اور ریکارڈ کے انتظام کو ایک ہی قیادت کے تحت ایک سینئر آفیسر کے زیر انتظام چلایا جائے۔

۶۔ صوبائی پولیس کمانڈروں کو اسٹیشن ہاؤس آفیسروں (ایس ایچ اوز) اور سب ڈویژنل پولیس افسروں (ایس ڈی پی اوز) کا ایسا عملہ تشکیل دینا چاہئیے جو میرٹ اور پیشہ ورانہ مہارتوں کے حامل ہوں۔ اسی عمل سے نہ صرف ایک پیشہ ورانہ پولیس فورس قائم ہو گی بلکہ پوسٹنگوں اور ٹرانسفروں کی روایتی لعنت سے جان چھوٹے گی۔

۷۔ تحقیقاتی افسران کا ایک علیحدہ عملہ قائم کرنے کی بھی ضرورت ہے کیونکہ یہ بھی ایک مخصوص شعبہ ہے جسے مہارت اور جدید تربیت سے آراستہ ہونا چاہئیے۔ اب ہمیں ایسے طریقہ کار کو چھوڑ دینا چاہئیے جس کے تحت دہشت گردی کے واقعات اور دیگر جرائم کی تفتیش ایک آفیسر ذاتی حیثیت سے کرتا تھ۔ اس ضمن میں تفتیشی ٹیموں کا قیام عمل میں لانا چاہئیے اور مخصوص سکواڈز بھی قائم کیے جائیں کیوکہ فرسودہ طریقوں کا دور اب گزر چکا ہے۔ اب تو پولیس کے ہر شعبے میں مہارت قائم ہونا ضروری ہے۔

۸۔ ہر ضلعی / سب ڈویژن سطح پر کرائم، سین یونٹ قائم ہونے چاہئیں۔ تفتیش کاروں کے لیے ایسا ہدایت نامہ تیار کیا جائے جس میں ہر جرم کے پہلوؤں کی چیک لسٹ اور ان کے لیے مطلوبہ شہادت کو درج کیا جائے۔

۹۔ ضلعی سطح پر ایسی کمیٹیاں تشکیل دی جائیں جو بریت اور ضمانتوں کا جائزہ لیں تاکہ تفتیش کاروں کو عدالتوں کے بتائے جانے والے نقائص کا پتہ چل سکے۔

۱۰۔ بطور پالیسی، حکومت کو پولیس مقابلوں کی کبھی حمایت نہیں کرنی چاہئیے ہر پولیس مقابلہ جس میں کسی کی موت واقع ہو جائے اس کی فوراً آزادانہ تحقیقات ہونی چاہئیں۔ پولیس اہلکاروں کی حفاظت کو یقینی بنانے کے لیے بلٹ پروف ہیلمٹس اور حفاظتی واسکٹس خریدی جانی چاہئیں۔

۱۱۔ نئی قانون سازی یا موجودہ قواعد / قوانین میں ترمیم کر کے بدعنوان اور نا قابل اصلاح پولیس اہلکاروں سے نجات حاصل کرنی چاہئیے۔ تاہم پولیس آرڈر 2002 کے تحت وضع کردہ نظم وضبط اور ضابطہ کار کے قواعد جنہیں پنجاب پولیس نے بہتر بنایا ہے انہیں تمام صوبوں کو اپنانا چاہئیے۔ کسی پولیس اہلکار کو برطرف کرے۔ یا اس کی نوکری ختم کرنے کا حتمی اختیار آئی جی کے پاس ہونا چاہئیے۔ اس کے خلاف ایک آخری اپیل بیوروکریٹ کے پاس دائر کرنے کی بجائے سروس ٹریبونل کے پاس جانی چاہئیے۔

۱۲۔ بڑے پیمانے پر ازسرِ نو تربیت اور رویوں میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ موزوں جائزے کے ذریعے تربیتی کورس کو ازسرِ نو درست کرنا چاہئیے پولیس کے ہر درجہ پر بالخصوص قبل از پروموشن لازمی تربیت کے طور پر تربیتی کورسز / ریفریشر کورسز کرانے چاہئیں۔

۱۳۔ پولیس اہلکاروں کے گھر والوں کے لیے شہروں، ضلعوں، ذیلی

ڈویژنوں اور اسٹیشنوں میں جہاں کہیں ان کی تعیناتی ہو، موزوں پولیس رہائش گاہیں فراہم کی جانی چاہئیں۔ وہ کمیونٹی کے لیے کام کرتے ہیں لہٰذا اُنہیں اُسی کمیونٹی میں رہنا چاہیئے۔ اُن کے کام کے اوقات کار میں بہتری لائی جائے یعنی 8 گھنٹوں کی ایک شفٹ اور ہفتہ وار چھٹی، اوورٹام الاؤنس، بوقت ملازمت / ڈیوٹی کھانے کی فراہمی، نقل و حرکت کی سہولیات اور دیگر فلاحی اقدامات اُٹھائے جانے چاہئیں۔

کلیدی اُمور

جمہوریت کو مضبوط بنانے اور قومی سلامتی کے قیام کے لیے سویلین کنٹرول قائم کرنا ضروری ہے۔ اور اس کے لیے قانون کی حکمرانی ضروری ہے۔ پارلیمنٹ ایک قانون ساز ادارہ ہے اور عوام کی اُمنگوں کا نمائندہ ہے۔ لہٰذا ہمارے قانون سازوں اور سیاستدانوں کو اس بات کا فیصلہ کرنا ہوگا کہ آیا انہوں نے اداروں کو مضبوط بنانے کے لیے انصاف کا نظام قائم کرنا ہے یا پھر ایسے طرزِ حکمرانی کو فروغ دینا ہے جس میں قانون نافذ کرنے والی ایجنسیاں کمزور ہونے کی وجہ سے بندوق والوں کے آگے گھٹنے ٹیک دیں۔

بار بار مارشل لاء لگنے اور فوج کی پشت پناہی میں قائم جمہوریت نے پہلے ہی ہماری ریاست کو کمزور بنا دیا ہے۔ ایک مضبوط اور موثر پولیس کا نظم و نسق دراصل ایک ایسی مضبوط ریاست اور جمہوری معاشرے کی عکاسی کرتا ہے جہاں حکمرانوں کی بجائے قانون کی حکمرانی ہو۔ لہٰذا درج ذیل کلیدی اُمور کو پارلیمنٹ اور پاکستان کے عوام کو زیرِغور لانا ہوں گے۔

1- پولیس کو سیاست سے پاک کرنے کے لیے پولیس کے محکمے یا ایجنسی کے سربراہ کا مدتِ ملازمت محفوظ ہونا چاہیئے۔ بہتر تو یہی ہے کہ وفاقی حکومت تمام قابل پولیس افسران کی فہرست صوبائی حکومتوں کو فراہم کرے جہاں پبلک سیفٹی کمیشن آئی جی کی تقرری کے لیے تین ناموں کا انتخاب کرے اور صوبائی حکومت یعنی وزیراعلیٰ اور ان کی کابینہ ان میں سے ایک نام منتخب کرے۔ اُس کے بعد آئی جیز کا مدتِ ملازمت محفوظ بنایا جائے۔

2- آئی جیز کو اپنے ڈیپوٹیز کی ٹیموں کا انتخاب کرنا چاہیئے۔ تمام مقامی، شہری اور ضلعی پولیس چیف اُن کی مرضی کے مطابق ہوں۔ یہ وہ اقدام ہے جس پر کے پی پولیس کام کر رہی ہے لیکن اسے قانون سازی کے ذریعے محکمانہ کارکردگی میں لانا ضروری ہے۔ پولیس آرڈر 2002 کے ذریعے معاملے کے حل کی کوشش کی جا رہی ہے۔ لیکن اُس پر بھرپور عمل درآمد اور نفاذ ضروری ہے۔

3- آئی جیز کو بطور محکموں کے سربراہ، انتظامی اور مالی خودمختاری حاصل ہونی چاہیئے۔ اور محکموں کے تمام مالی اُمور کا سختی سے آڈٹ ہونا چاہیئے۔

4- کوئی بھی ادارہ یا حکام حتیٰ کہ سپریم کورٹ بھی پولیس کے زیرِ تفتیش فوجداری مقدمے میں مداخلت نہیں کر سکتی۔ تاہم، ہر گرفتاری، ہر چالان اور تحقیقاتی دائرہ کار میں آنے والے تمام اقبالِ جرم اور اعترافِ جرم کے مقدمات عدالتی معائنے سے گزرنے چاہئیں۔ عدالتوں بالخصوص اپیلوں کی سماعت کرنے والی عدالتوں کو مقدمات کے ریکارڈ کا معائنہ کرنا چاہیئے۔ لہٰذا کسی سیاستدان یا ایجنسی کو تفتیشی عمل میں کبھی بھی مداخلت نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ یہی عمل بالآخر نظامِ عدل کو مضبوط کر سکتا ہے۔ تاہم اس کے لیے ہمیں ایماندار پولیس کی خدمات درکار ہیں۔ استحکام کے بغیر نظام عدم کھوکھلا رہتا ہے اور اگر پولیس بھی بے ایمان ہو تو ججوں پر الزام تراشی کا کیا فائدہ کہ انہوں نے مجرموں کو چھوڑ دیا حالانکہ غلطی تو پولیس کی ہے جس نے موزوں مقدمہ تیار نہ کیا۔ لہٰذا اندرونی اور بیرونی جوابدہی کے طریق ہائے کار کو مضبوط بنانا چاہیئے اور پارلیمنٹ کو چاہیئے کہ وہ آزادانہ پولیس کمپلینٹ سینٹرز کا قیام عمل میں لائے۔

نتیجہ

ہمیں ہمیشہ بہتری کی اُمید رکھنی چاہیئے اور ایک اچھے مستقبل کا خواب دیکھنا چاہیئے۔ ہمیں تمام شک و شبہات سے نکل کر ایک پرامن اور جمہوری قوم بننے کی کوشش کرنا ہوگی جہاں قانون کی حکمرانی اولین ترجیح ہو اور جہاں حکام کی کارکردگی اور پالیسی سازی سے اچھا طرزِ حکمرانی و رمیرٹ جھلکتا ہو۔ یہاں بیان کردہ پولیس اصلاحات کی کامیابی کے لیے ہمیں پرعزم، پیشہ وارانہ پولیس قیادت کی ضرورت ہے جو واقعی تبدیلی لائیں۔ ایسے ایماندار افراد کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے جو اس نظام میں گم ہو چکے ہیں، وہ نظام جو ایسے لوگوں کو دبا کے رکھتا ہے۔ ہمارے بزرگوں کا خواب شرمندہء تعبیر ہونا چاہیئے۔

اختتامی نوٹ

1۔ آئی جی پی ڈاکٹر شعیب سڈل نے پولیس آرڈر 2002 کے تحت محکمانہ اصلاحات پر عملدرآمد کے تشکیلی عرصے کے دوران این پی ایس سی کا نوٹی فکیشن اور اس کے کام کی درجہ بندی کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔

2۔ قومی اسمبلی کے اسپیکر کے نامزد اراکین کو 2008 اور 2009 میں اس وقت کے وزیر داخلہ نے نیشنل پولیس بیورو کی جانب سے نوٹی فکیشن دینے کی اجازت نہیں دی تھی۔

3۔ کھوسہ، ٹی ۔(2011)۔ پولیس ایکٹ کی تنسیخ؛ سندھ کی 19 ویں صدی میں واپسی؛ بے دھیانی ناعاقبت اندیشی میں قلم کی ایک جنبش۔ دی نیوز۔

4۔ ہاشم ،آر.(2015) سابقہ آئی جی پی بلوچستان کے ساتھ انٹرویو۔

5۔ ٹورو۔ایف(2014) سابقہ آئی جی پی ، کے پی اور اے سی ایس محکمہ داخلہ کے ساتھ انٹرویو (2011 -2010)

6۔ مورخہ 28-02-2003 کو بیریسٹر ظفراللہ خان کی طرف سے دائر کی جانے والی ڈبلیو۔پی .نمبر 16244/2002 پر جسٹس تصدق حسین جیلانی کا اعلان کردہ لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ ۔

7۔ صوبائی اسمبلی، پنجاب کا نوٹی فکیشن نمبر پی اے پی۔قانون سازی 2013/940 /2(07) بتاریخ 11 ستمبر 2013۔

8۔ 14 نومبر 2014 کو پنجاب پولیس اصلاحات پر ایک پالیسی پیپر وزیر اعلیٰ پنجاب کو پیش کیا گیا۔

9۔ درانی ،این۔(2014) آئی جی پی ،کے پی کے ساتھ انٹرویو۔

10۔ آملش ،ایم ۔(2014) آئی جی پی، بلوچستان کے ساتھ انٹرویو۔

11- جیسا کہ مذکورہ اصول عمومی طور پر سر رابرٹ پیل کے ساتھ منسوب کیئے جاتے ہیں، لیکن اس بات کا بھی امکان ہے کہ ان کی تشکیل چارلس روون اور رچرڈ مین کی جانب سے کی گئی، جو کہ لندن میٹروپولیٹن پولیس کے پہلے اور جوائنٹ کمشنر تھے۔

پلڈاٹ

پاکستان انسٹیٹیوٹ آف
لیجسلیٹو ڈویلپمینٹ
اینڈ ٹرانسپیرینسی

اسلام آباد آفس: پی، او، باکس 278، F-8، پوسٹل کوڈ: 44220، اسلام آباد، پاکستان
لاہور آفس: پی، او، باکس 11098، L.C.C.H.S، پوسٹل کوڈ: 54792، لاہور، پاکستان
ای میل: info@pildat.org ویب: www.pildat.org